رب دلاں وچ ہندا

از

سعدیہ عابد

رب دلاں وچ رہنداں

سعدیہ عابد

معوان احمد! اسٹیج پر پرفارم کر رہا تھا اور اس کی درد بھری سریلی آواز ہال میں موجود لڑکیوں تو لڑکیوں لڑکوں کا بھی دل دھڑکا گئی تھی، معوان احمد ایک ابھرتا ہوا پاپ اسٹار تھا جس کی سب سے بڑی خوبی یہ بھی کہ وہ اسٹیج پر آ کر اچھل کود نہیں کرتا تھا، بلکہ وہ سنجیدہ انداز میں اسٹیج پر آ کر سر بکھیرتا کہ ہر سننے والی سماعت اس کی آواز کی تعریف کیے بنا نہیں رہ پاتی تھی اور یہی عالم آج کی پرفارمنس میں ہوا تھا، جب وہ اسٹیج پر آیا کتنی ہی لڑکیوں نے اس کی ڈریسنگ پر سٹائلش کو دیکھ کر دل تھام لیے تھے اور رہی سہی کسر اس کی آواز نے پوری کر دی تھی۔

اس وقت صرف ہال میں معوان کی خوبصورت آواز میوزک کے ساتھ گونج رہی تھی، باقی حال میں گویا سکوت طاری تھا اور یہ سکوت گانے کے اختتام پر تالیوں کی گونج کے ذریعے ختم ہوا تھا، اسٹیج سے اترتے ہوئے جو آٹو گراف کے لیے ہجوم لگنا شروع ہوا تو باہر تک اس کے ساتھ لگا رہا تھا، مگر وہ ہر ایک کو نظر انداز کرتا بڑی تیزی سے جگہ بناتا باہر کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا، جبکہ ''آٹو گراف'' پلیز کی آوازیں اس کے تعاقب میں تھیں مگر اس کو جیسے کسی کی پرواہ ہی نہیں تھی پڑ تیزی سے وہ گاڑی میں بیٹھا تھا اور اس کے فین پیچھے کف افسوس ملتے تو کچھ اس طرح نظر انداز ہونے پر غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گئے تھے۔

معوان احمد نے گھر کی بجائے گاڑی سی سائیڈ کے راستوں پر ڈال دی تھی اور جس وقت وہ بیچ پر پہنچا تھا، رات کے ڈھائی بج رہے تھے لیکن سنڈے نائیٹ ہونے کی وجہ سے اس وقت بھی کافی رش تھا اور وہ اِدھر اُدھر سے ٹہلتے کپلز کو

حیرانگی سے دیکھنے لگا تھا، بے فکرے چہرے، لبوں پر کھلی مسکراہٹ آج اسے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا، اسے مسکرائے تو نا جانے کتنا عرصہ بیت گیا تھا، ایک لڑکی اس کے چہرے نے دستک دی تھی اور ماضی کی یادیں آنکھوں میں چبھن بن کر پوری طرح اتر میں وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا تھا، اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر دشمن جاں کا خیال تھا کہ حواسوں پر طاری ہونے کو بے تاب تھا سیٹ پر رکھا گٹار اس نے اٹھالیا تھا کیونکہ وہ ماضی میں خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے ہی اس راہ کا مسافر بنا تھا اور جب یادیں دل و جاں پر دستک دیتیں تو وہ گٹار کے تاروں کو اپنے اندر کی تھکن مہیا کر دیتا تھا وہ کچھ دیر صرف گٹار کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا اور تھوڑی دیر میں اس کے لب بھی گنگنانے لگے تھے۔

کاش ہم تم بھی اجنبی ہوتے
جس طرح اور لوگ ہوتے ہیں
بے تعارف سے لاتعلق سے
کر کے تجھ سے وفا ملا کیا ہے
تو نے غم کے سوا دیا کیا ہے
کتنا افسردہ کتنا تنہا ہوں
اپنی تنہائی پر ہنستا ہوں
مجھ کو لمحوں کی آشنائی ہے
مار ڈالا تیری جدائی نے
جدائی نے ....

''میں بھی جیتے جی مر گیا ہوں سوہا، مگر تم کو اس کا احساس نہیں ہے اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی میری پرواہ ہوتی تو مجھے یوں چھوڑ کر نہ جاتیں میری سانسوں کا زندگی سے ناتا جڑا ہے تو تم خود سانسوں پر بند نہ باندھتیں، تم مجھ سے بچھڑ جاتیں تو ملنے کی مجھے کم از کم امید تو ہوتی مگر تم نے ...... ہر امید کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دیا، موت تمہاری نہیں معوان احمد کی ہوگئی ہے بس فرق اتنا ہے تم دنیا سے منہ موڑ گئیں اور میں سانسوں کے تار جوڑے رکھنے پر مجبور ہوں رو، دنیا سے ہنس کر ملتا ہوں ورنہ حال تو یہ ہے کہ ہنسی کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں اور آنسو میں مسکن ہیں، جہاں سے نکلنا بھی چاہوں تو تمہاری یادیں نکلنے ہی نہیں دیتیں۔'' گٹار کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کرتے اس کی انگلیاں زخمی ہوگئیں رات یہ شدت زیادہ ہوتی اس کی وہ رات بے چینی سے ٹہلتے ہوئے گزرتی تھی اور موذن کی آواز کے ساتھ ہی یادوں کا سلسلہ رکتا اور وہ نماز ادا کر کے سونے کے لئے لیٹ جاتا مگر نیند رات بھر ستانے پر بھی اس پر مہربان نہیں ہوتی تھی، کتنے کتنے دن اسے سوئے بنا گزر جاتے تھے۔

مدکیٰ حسن بے خبر سو رہی تھی کہ ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں میں پڑی اور وہ نیند سے بیدار ہوگئی تھی، نیند میں سنی جانے والی آواز اب وہ واضح سن سکتی تھی اس نے بکھرے بال سمیٹے تھے اور بیڈ سے اتر کر کھڑکی میں کھڑی ہوگئی تھی، جہاں کھڑی ہو کر وہ مترنم تاروں سے نکلی مدھر آواز آسانی سے سن سکتی تھی، وہ دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے کھڑی تھی اور مدھر آواز اس کے دل کے تار بجا رہی تھی جب تک آواز آتی رہی، وہ مدہوش سی کھڑی رہی تھی اور جیسے آواز کا سلسلہ بند ہوا تو وہ پلٹ کر پھر بیڈ پر گری اور کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد نیند کی وادی میں اتر گئی تھی اور اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی اور یونیورسٹی سے چھٹی ہوگئی تھی۔

''مدکیٰ آج آپ یونیورسٹی نہیں گئیں؟'' ناشتہ کی ٹیبل پر حسن صاحب نے اس سے استفسار کیا تھا اور اس نے سر اور آنکھوں کے اشارے سے بتایا تھا کہ وہ رات کو سو نہیں سکی اور اس لئے ... اٹھ نہ سکی۔

''آپ خیال رکھا کرو اور جلدی سونے کی کوشش کیا کرو تاکہ یونیورسٹی سے چھٹی نہ ہو۔'' ... صاحب نے پیار سے بیٹی کو دیکھا تھا اور اس ... شرمندہ ہو کر آئندہ خیال رکھنے کی حامی بھری ... اور اس سے قبل حسن صاحب اس سے مزید ... سوال کرتے اذکیٰ روم میں داخل ہوئی تھی۔

''ہائے ایوری باڈی۔'' اس نے اپنی ... روم چیئر گھسیٹی تھی اور سلائس پر جیم لگانے لگی ... ماں اور باپ سے ناشتے کے دوران اِدھر اُدھر کی ... باتیں بھی کرتی رہی تھی اور اس کی شعوری لا ... شعوری کوشش کی وجہ سے مدکیٰ حسن ہمیشہ کی طرح ... پس منظر میں چلی گئی تھی اور خود مدکیٰ کو وہاں اپنا ... وجود بے مقصد وان فٹ سا محسوس ہوا تھا اور وہ ... ادھورا ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گئی تھی حسن صاحب نے ... اسے ناشتہ مکمل کرنے کو کہا تھا، مگر وہ مزید نہ ... کھانے کے لئے نفی میں سر ہلاتی اپنے کمرے ... میں آ گئی تھی اور اس کے جاتے ہی اذکیٰ بھی ... کھڑی ہوگئی تھی جبکہ حسن صاحب بے فکری سے ... اخبار پڑھنے لگے تھے کیونکہ انہیں آج آفس لیٹ ... جانا تھا۔

''معوان احمد! سے بات کر سکتی ہوں؟'' ... مسلسل ہوتی بیل پر اس نے فون ریسیو کیا تو ... آواز سنائی دی۔

''میں معوان احمد ہی بات کر رہا ہوں، آپ ... کو مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنی ہے۔'' وہ ... جانتا تھا، پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

''میں دارا خان بات کر رہی ہوں میں ... آپ کی بہت بڑی فین ہوں، مجھے آپ کے تمام ... گیت بہت پسند ہیں، مجھے آپ سے ملنے کا بہت ... شوق ہے، پلیز اگر آپ کو کوئی کنسرٹ ہے تو ... بتائیں میں آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔'' وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

''میرا تین ماہ تک کوئی کنسرٹ نہیں ہے اور میں اس وقت بزی ہوں، اللہ حافظ۔'' اور اس نے بے مروتی کی حد کرتے ہوئے لائن ڈسکنیکٹ کر دی تھی، لیکن سیل دوبارہ بجنے لگا تھا اور اس نے سیل غصے سے بیڈ پر پٹخا تھا اور واش روم میں چلا گیا تھا جب سے اس نے اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا لوگوں کا راہ میں روکنا اور گھر کے اور سیل نمبر پر فون کرنا بہت معمولی سی بات بن گیا تھا، وہ جتنا لوگوں سے خاص لڑکیوں سے بچ رہا تھا، لڑکیاں اس کے گرد منڈلانے کے بہانے تلاشا کرتی تھیں وہ گھر سے تو پہلے بھی وقت ضرورت نکلتا تھا مگر اب جب دل یادوں کی آماجگاہ بنتا تو وہ خود سے فرار حاصل کرنے کے لئے لانگ ڈرائیو پر نکل جاتا تھا اور اسے پرائیویسی درکار ہوتی تھی جبکہ لوگ اس کی پرائیویسی میں دخل دے کر اسے مزید چڑچڑا بنانے کا سبب بنتے تھے، جتنی تیزی سے وہ شہرت کے افق پر چڑھ رہا تھا اتنی ہی تیزی سے اس کے متعلق یہ بات مشہور ہونے لگی تھی کہ وہ کافی مغرور ہے اور یہی بات جہاں اس سے لوگوں کو دور کر رہی تھی وہیں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس کی خوبصورت آواز کے سحر اور زبردست پرسنیلٹی کے گرداب میں پھنسے اور اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے اور اسی لئے اب اس نے کنسرٹ کرنا کم کر دیئے تھے، جبکہ شو آرگنائزر اور...... اور ڈائریکٹرز کی فون کالز کا اس کے پاس تانتا بندھا رہتا تھا۔

اس کے مستقل انکار سے ڈائریکٹر اس سے اکتانے لگے تھے مگر وہ عوام کی پسند کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی خوشامد کرنے پر مجبور تھے معوان احمد ایسا اپنی اہمیت بڑھانے کی غرض سے نہیں کرتا تھا بلکہ یہ اس کی نیچر تھی مگر لوگ کہاں سمجھتے ہیں کہ انسان کے کچھ بھی کرنے کے پیچھے

اس کی برائی یا منفی سوچ ہی کا ہاتھ ہے کیونکہ لوگ تو مثبت پہلوؤں کو بھی منفی پہلو عطا کر دینے کے عادی ہوتے ہیں اور شاید صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو تصویر اور سکے کے دونوں پہلوؤں کو دیکھنے اور سمجھنے کے عادی ہوں کیونکہ ایک پہلو سے حقیقت واضح نہیں ہوتی۔

''اذکی! آپ بہن کو ساتھ لے جانے میں کیوں تغافل کا شکار ہیں؟'' اذکی کزن کے ساتھ کسی کنسرٹ میں جا رہی تھی مذکی کو بھی آج کل نیا نیا موسیقی کا شوق چڑھا تھا اس کی وجہ سے اس نے بھی جانے کی خواہش ظاہر کی تھی جسے سنتے ہی اذکی نے انکار کر دیا تھا اور اتفاق سے حسن صاحب جو آفس سے جلدی آنے کے بعد گھر میں ہی تھے یہ بات ان سے چھپی نہ رہ سکی تھی اور ایسے میں انہوں نے مذکی کی حمایت کی تھی اور وہ از حد خوش ہو گئی تھی مگر اس کی ساری خوشی اذکی کی توہین آمیز لفظوں کی نظر ہو گئی تھی۔

''ڈیڈ! مذکی کو میں اپنے ساتھ لے جا کر اپنا مذاق نہیں بنوا سکتی۔'' وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولی۔

''اذکی! ہم آپ کو کچھ کہتے نہیں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسے آپ چاہیں گے مذکی کی انسلٹ کریں گی مذکی آپ کی چھوٹی بہن ہے اور اس کا خیال رکھنا آپ کا فرض بنتا ہے۔'' وہ غصے میں کم آتے تھے مگر جب آتے تھے سامنے والے کو کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑتے تھے، اس وقت وہ ان کے غصے سے خائف ہوئی محض بہن کو گھور کر رہ گئی تھی۔

''آپ آج کنسرٹ میں صرف اسی صورت میں جا سکتی ہیں جب مذکی آپ کے ساتھ جائیں گی ورنہ آپ بھی نہیں جائیں گی، کیونکہ ہم ایک بیٹی کے لئے دوسری بیٹی کی خوشی نظر انداز نہیں کر سکتے۔'' وہ اٹل لہجے میں بولے تھے اور ... کے حکم پر بھڑک ہی تو اٹھی تھی۔

''ڈیڈ! آپ ہمیشہ میرے ساتھ ... کرتے ہیں مذکی کی خوشی آپ کو زیادہ عز... اور میری خوشی تو جیسے کوئی معنی ہی نہیں ر... مذکی کے ساتھ کنسرٹ میں ہرگز.........''

''آپ ہمیں مذکی سے زیادہ عزیز ... کیونکہ آپ ہماری پہلی اولاد ہیں، مگر ... ہمیں کم عزیز نہیں ہیں، مذکی کو لے جانے کا ... قبول عذر بتاتیں تو ہم ہرگز آپ کے ... زبردستی نہ کرتے بلکہ خود مذکی کو ساتھ لے جا... سے منع کرتے مگر جہاں آپ کی بات نے ... کے دل کو دکھایا ہے، وہیں آپ ہماری دل آزا... کا بھی سبب بنی ہیں، آپ بہن ہیں مذکی کی ... آپ ہی اس کی ڈھال نہیں بنیں گی تو زمانہ ... بھری نگاہوں سے دیکھے گا ہی اس لئے آپ ... بہن کی تکلیف کے ازالہ کے لئے اسے آج سا... لے جانا ہوگا اور یہ میرا حکم نہیں آپ کا ... ہے۔'' وہ پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے اور ... کے سر پر ہاتھ رکھتے اپنے روم کی جانب بڑھ... لگے تھے اور حسن صاحب کی وجہ سے مجبوراً اذ... اسے ساتھ لے جانا ہی پڑا تھا اور معصوم سی ... اس پر ہی خوش ہو گئی تھی۔

مذکی شوق ہی شوق میں اذکی کے ساتھ ... گئی تھی مگر اب وہ پچھتا رہی تھی، ایک کے ... ایک آتا سنگر گاتا کم اچھل کود زیادہ کر رہا تھا ... اسے سوفٹ میوزک پسند تھا اور ہال میں تا... اور سیٹیوں کی آوازیں اتنی تیزی سے ابھر رہی ... کہ اب اس کا سر دکھنے لگا تھا، اس نے اذکی ... چلنے کا اشارہ کیا تھا اور اس نے بری طرح جھڑ... دیا تھا۔

''خبردار! جو اب میرا موڈ خراب کر...

...ل، میں شو ختم ہونے سے پہلے نہیں ... ہماری ضد میں آئی ہو تو برداشت کرو ... ل بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو ...'' وہ ... بھینچے لہجے میں کہہ رہی تھی مگر اتنے ... لی مجبوری میں اسے اہانت کا احساس ہوا ... اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں اور وہ غصے ... ہال جانے کے لئے قدم بڑھا ہی رہی تھی کچھ ... ہی جا کر رک جانا پڑا تھا، تنے آنے ... لڑکی کی آواز اسے چونکا گئی تھی۔

... نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
... مانا کہ محفل جواں ہے حسیں ہے۔

وہ یک ٹک معوان احمد کو دیکھ رہی تھی اس ... کو اس نے اکثر یونیورسٹی جاتے ہوئے اپنے ... منے والے بنگلے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا مگر ... وہ اس بات سے لاعلم تھی جس کے گٹار کی آواز سن کر وہ سوتے میں جاگ جاتی تھی اور پھر اسے ... کے لئے گھنٹوں کھڑکی میں کھڑی رہتی تھی ... کی گٹار سے نکلی آواز نے اسے موسیقی کی جانب راغب کر دیا تھا، وہ اس کی ہاتھوں کی ... لیوں کا جادو تھا کیونکہ وہ یہ جان نہیں پائی تھی کہ آواز اس کے بالکل سامنے گھر سے آتی ہے یہ ... بات ہے کہ اس نے دل کی ہزار خواہش کے بعد بھی یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ وہ کون ہے اور اس میں اس کی محرومی کا ہاتھ تھا بھی مذکی حسن ایک جذب کے عالم میں کھڑی ... معوان احمد کو سن رہی تھی جیسے گٹار کی آواز اسے ... مسمرائز کر گئی تھی اسی طرح معوان احمد کی آواز کے سحر میں بھی بری طرح جکڑ گئی تھی۔

مجھے پھر تباہ کر، مجھے پھر رلا جا
... ستم کرنے والے کہیں سے تو آ جا، کہیں سے تو آ جا

معوان احمد کی آنکھوں سے سوہا کا عکس ... نے لگا تھا۔

... آنکھوں میں تیری ہی صورت بسی ہے
تیری ہی طرح تیرا غم بھی حسین ہے
تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

سوہا کا عکس اس کی آنکھوں میں کیا آیا تھا اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھیں، غم و اداسی تھے کہ اس کی آنکھوں سے چھلک جانے کو بے تاب تھے مگر وہ خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے گیت مکمل کر رہا تھا۔

میں زندہ ہوں لیکن کہاں زندگی ہے
میری زندگی تو کہاں کھو گئی ہے
تو جو نہیں ہے ....

وہ جانتا تھا کہ سوہا مر چکی ہے وہ زندہ ہو کر اس کی کسی محفل کا حصہ نہیں بن سکتیں مگر اس کی نگاہیں متلاشی انداز میں ہال میں چکرا رہی تھیں۔

جدھر بھی یہ دیکھیں، جہاں بھی یہ جائیں
تجھے ڈھونڈتیں ہیں۔ یہ پاگل نگاہیں
یہ پاگل نگاہیں ....

اور ایکدم اس کی نگاہیں تھم گئی تھیں اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، وہ سوہا نہیں تھی، مگر اس کی آنکھیں سوہا کی آنکھوں سے شباہت چرا لائی تھیں، اس کو اختتامی مصرعہ بھول سا گیا تھا اور اس نے بمشکل گانے کو اینڈ کیا تھا اور لوگ اور اس کے مداح تو یہ بھی اس کی کوئی ادا ہی سمجھے تھے اور وہ ہزاروں لڑکیوں میں وہ چہرے پر خوشی کا احساس جگائے ساکت کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا اتنی لڑکیوں میں صرف واحد مذکی ہی نے معوان کی توجہ حاصل کی تھی گلابی چہرہ لمبی ستواں ناک، شنگرفی لب، سبز آنکھیں، چہرے پر بکھری حیرانگی اور ایک عجیب سی نا محسوس ہونے والی خوشی، گانے کے اختتام پر تالیوں کی آواز گونج اٹھی تھی جبکہ وہ اسٹیج کی پچھلی جانب چلا گیا تھا، یہ لاسٹ پرفارمنس تھی، لوگ واپس جانے لگے تھے، مگر وہ اب تک کھڑی تھی۔

''مذکی! اب چلو بھی، یا تو جانے کے لئے

مری جارہی تھی اور اب بت بنی کھڑی ہوں۔'' اذکی اس کے قریب آکر کڑوے لہجے میں بولی اور باہر کو چل پڑی۔

''یار! معوان احمد کی پرسنیلٹی ہی ایسی ہے کہ اچھے اچھے مسمرائز ہو جائیں اور گاتا کیا غضب کا ہے میں تو آٹوگراف ضرور لوں گی۔'' ثمن اس کے تایا ابو کی بیٹی نے ندکی کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

''دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے مگر معوان احمد ہے، بڑا مغرور، وہ کسی کو آٹوگراف نہیں دیتا۔'' زارا نے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''چلو آؤ میرے ساتھ میں بھی دیکھتی ہوں کیسے آٹوگراف نہیں دے گا، یار! اہمیت بڑھانے کے طریقے ہیں، حسین لڑکیاں جائیں گی تو آٹوگراف تو کیا وہ نمبر بھی دے گا۔'' اذکی نے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا تھا اور پارکنگ ایریا کی جانب بڑھی تھیں جہاں کافی رش تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر اخباری رپورٹر معوان احمد کو گھیرے کھڑے تھے جن سے ایکسکیوز کرتا وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا ابھی اس نے ڈرائیونگ ڈور کھولا ہی تھا کہ نسوانی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

''آٹوگراف پلیز۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا تھا وہ چار لڑکیاں تھیں اور جس میں سے ایک کافی فاصلے پر تھی اور اس پر معوان احمد کی نگاہ ٹھہر سی گئی تھی۔

''پلیز آٹوگراف دے دیں، میں آپ کی فین ہوں، میں نے آپ کو فون بھی کیا تھا، سچ جتنا مزہ آپ کے شو میں آیا، اتنا لائف میں کبھی.........''

''سوری! میں آٹوگراف دینا پسند نہیں کرتا۔'' وہ اتنا ہی بولا تھا کہ کچھ فاصلے پر کھڑی لڑکی آگے بڑھ آئی تھی اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی آٹوگراف کے لئے اس کے سامنے کی تھی جس پر موجود سیاہ تل کو معوان احمد کی آنکھ نے کچھ حیرانگی اور کچھ بے تابی سے چھوا تھا اور اس نے جیب سے پین نکال کر پھیلے ہوئے ہاتھ پر نہ جانے کس اثر کے تحت اپنا نام لکھ دیا تھا جبکہ وہ تینوں حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں، معوان احمد گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''مجھے کہہ رہا تھا کہ آٹوگراف نہیں دیتا، ندکی کو پھر آٹوگراف کیوں دیا؟'' زارا کو اپنی سخت انسلٹ فیل ہوئی تھی۔

''یار! تم نے ڈائری بڑھائی تھی، معوان احمد ذرا فلرٹی رومینٹک مزاج ہوگا جو اس نے فوراً ہاتھ تھام کر اپنا نام لکھ دیا۔'' ثمن مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ بات نہیں ہے میں نے اب تک یہی سنا ہے کہ معوان احمد کسی کو آٹوگراف نہیں دیتا تو پھر اس نے ندکی کو کیوں دیا؟'' وہ اب ندکی کو گھور رہی تھی۔

''یہ تو سب ہی کہتے ہیں کہ ندکی بہت خوبصورت ہے بس یہی خوبصورتی معوان احمد کے دل کو بھا گئی ہوگی۔'' اذکی حیرانگی سے نکلتے ہوئے بولی تھی، بہر حال ندکی اس کی بہن تھی۔

''اب اتنی بھی اپسرا نہیں ہے تمہاری بہن!'' زارا تو بری طرح تپ اٹھی تھی۔

''اذکی کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔'' ثمن کے کہنے پر زارا وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

ثمن تایا زاد اور زارا چچا زاد کزن تھی اذکی ان سے دونوں کی اذکی سے ہی بنتی تھی، ندکا ان تینوں سے دو سال چھوٹی تھی اور اس کا احسا محرومی اسے لوگوں سے دور کر گیا تھا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی ہاتھ بڑھانے میں تمہاری ڈیڈ سے شکایت کروں گی، انہیں بھی

پتا چلے کہ ان کی لاڈلی کیسے لڑکوں کو ہاتھ پکڑاتی ہے۔'' ندکی اب اذکی پر الٹ پڑی۔

''سوری اذکی! پلیز تم ڈیڈ سے نہ کہنا میں نے آٹوگراف کے لئے جان کر نہیں، بس پتہ نہیں کیسے؟'' وہ اس کے اشاروں سے اتنا ہی سمجھی تھی بس سر جھٹک کر رہ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد بولی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو، مجھے تمہاری حرکت بالکل پسند نہیں آئی، ڈیڈ سے کچھ نہیں کہوں گی مگر آئندہ خیال رکھنا۔'' یہ سب وہ کہہ رہی تھی جس کی کتنے لڑکوں سے فرینڈ شپ تھی اور لڑکوں سے ہاتھ ملانا جس کے لئے بہت معمولی سی بات تھی ندکی نے ایک تشکر بھری نگاہ بہن پر ڈالی تھی اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی، اس کی ہتھیلی پر موجود تل کے ذرا نیچے معوان احمد بڑی خوبصورتی سے لکھا گیا تھا، جس کو وہ تادیر دیکھتی رہی تھی رات کو کھڑکی میں کھڑے محض آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ دبے سروں میں گٹار بجنے کی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی تھی اور آج وہ آنکھیں موندنے کی بجائے اپنی ہتھیلی پر نگاہ جمائے کھڑی تھی، اسے اپنا ہاتھ آج سے قبل کبھی اتنا حسین نہیں لگا تھا، جتنا کہ آج لگ رہا تھا، وہ دھیمے دھیمے وہی گیت دل میں گنگنانے لگی تھی جو معوان احمد نے گایا تھا اور رات دھیرے دھیرے بیتنے لگی تھی۔

معوان احمد! اب تک اپنی حرکت پر حیران تھا اس فیلڈ میں آئے اسے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تھا اور آج پہلی دفعہ اس نے کسی کو آٹوگراف دیا تھا نہ جانے کیوں اس لڑکی میں خاص کر اس کی آنکھوں میں معوان کو سوہا کی جھلک دکھائی دی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ایک کے بعد ایک نگاہ بے اختیار وہ ڈال گیا تھا، مگر جب اس نے ہتھیلی اس کے آگے کی تو وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گیا تھا کیونکہ ویسا ہی سیاہ تل ٹھیک اسی جگہ پر اس کی سوہا کی گلابی ہتھیلی پر بھی تھا اور آج سے چھ سال قبل اس نے جس کے ذرا نیچے اپنا نام لکھا تھا تو اسے آج یہی احساس ہوا تھا کہ وہ سوہا کی ہتھیلی پر اپنا نام تحریر کر رہا ہے، وہ تو اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس کی سوہا نہیں تھی، اسے خود پر غصہ تو نہیں آ رہا تھا مگر ایک بے بسی اس کی رگ و پے میں دوڑ رہی تھی کہ سوہا جو کل تک اس کے خوابوں اور خیالوں میں بسی تھی اب دوسرے روپ میں مجسم ہو کر اس کے سامنے آنے لگی تھی، اس نے روز کی طرح گٹار اٹھا لیا تھا مگر اس کی انگلیاں بار بار تھم سی رہی تھیں اور اس نے گٹار سائیڈ میں رکھ کر آنکھیں موندتے ہوئے پیر پھیلائے تھے اور خود کو ماضی کے حوالے کر دیا تھا۔

''یار! لائن بہت زیادہ لمبی ہے تو اپنی بہن کو ساتھ ہی لے آتا گرلز کی لائن تو پھر بھی کم ہے۔''

''میں نے بھی اس سے یہی کہا تھا اور اسے آنے پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، مگر وہ ہمارے بابا، انہوں نے آرڈر جاری کر دیا کہ فارم میں ہی جمع کرواؤں گا اور میں نے بھی یہ سوچ کر ہامی بھر لی کہ کہیں بابا اپنا ارادہ ہی نہ بدل دیں۔''

''کیوں، کیا تمہارے بابا، لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں؟''

''ارے نہیں یار! آج کل حالات کچھ ٹھیک نہیں چل رہے تو بس اس خیال سے بابا، چاہتے تھے کہ صبا، پرائیویٹ پڑھ لے مگر صبا کا کہنا ہے کہ استاد کی رہنمائی کے بغیر حاصل کیا گیا علم بھی کوئی علم ہوتا ہے اور ہم دونوں نے مل کر بابا کو راضی کر لیا یار! میرے بابا تو ایجوکیشن کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔'' ریحان صدیقی نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

''تمہارے بابا سے مل کر لگتا بھی ہے کتا بیں

پڑھنے کا تو جانتا ہے مجھے کتنا شوق ہے اور میری آدمی سے زیادہ لائبریری میں وہ کتابیں ہیں جو میں نے انکل سے لے کر پڑھنے کے بعد خرید کر اپنی لائبریری کا حصہ بنائیں ہیں۔'' معوان احمد نے سچائی سے کہا تھا، کیونکہ یہی حقیقت بھی تھی۔

''یار! ہمیں لائن میں کھڑے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے اور لگتا ہے مزید آدھا گھنٹہ لگے گا، اس سے کہیں بہتر تو یہ تھا ہم اندر جا کر فارم جمع کروا دیتے، چار سال سے یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہیں اب اتنی تو اپنی پی آر ہے کہ اس بجل خواری سے بچ جائیں۔'' لائن میں لگے لگے اکتاہٹ ہونے لگی تو وہ بولا تھا۔

''پی آر کو تو نے اچھی کہی، میرے لئے یہ بھی مشکل نہیں تھا کہ میں ایک فون کرتا تو بندہ خود تیرے گھر سے فارم لے کر جمع کروا کے تجھے رسید دے کر جاتا لیکن تو جانتا ہے مجھے شارٹ کٹ راستے پسند نہیں اور تو خود بتا جو ہم سے پہلے گئے اور جو پیچھے کھڑے ہیں کیا یہ پاگل ہیں جو اتنی خواری اٹھا رہے ہیں؟''

''میرے یار! ساری بات اثر رسوخ کی ہوتی ہے اگر ان کے بس میں ہو تو ہرگز لائن نہ لگائیں اور جن کے بس میں ہوتا ہے وہ بغیر لائن کے فارم جمع کروا کے چلے جاتے ہیں، تیری طرح نہیں خود بھی خوار ہوتے ہیں اور دوستوں کو بھی کرتے ہیں۔''

''میں دوسروں کے نظریے پر نہیں اپنے نظریات پر چلتا ہوں مجھے جو پسند نہیں وہ میں نہیں کرتا تجھے یہاں کھڑے رہنے میں پرابلم ہو رہی ہے یہ لے چابی گاڑی میں جا کر بیٹھ، میں فارم جمع کروا کے آ جاؤں گا۔'' معوان احمد نے سنجیدگی سے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

''چھوڑ، اب اتنا بھی خود غرض نہیں ہوں، تجھے دھوپ میں کھڑا کر کے خود چلتا بنوں۔''

''تو کتنا خود غرض ہے، مجھے معلوم ہے اس لئے زیادہ باتیں نہ بنا اور پکڑ چابی۔'' معوان احمد مزید کچھ کہتا کہ اس کا سیل بجنے لگا تھا اور وہ سائیڈ پر ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے، مما آپ فکر نہ کریں، میں زوباریہ کو پک کر لوں گا۔'' اس نے ماں کو تسلی دے کر فون بند کر دیا تھا اور فارم جمع کروانے کے بعد اس نے ریحان کو اس کے گھر ڈراپ کیا تھا اور پھر جناح ٹرمینل زوباریہ کو پک کرنے چلا گیا تھا، زوباریہ اس کے اکلوتے ماموں کی اکلوتی بیٹی کو اسلام آباد سے آ رہی تھی۔

معوان احمد! کے فادر ڈی ایس پی جبکہ مما ہاؤس وائف تھیں، سلمان احمد نہایت شریف النفس اور ایماندار آفیسر ہیں، رشوت لینا اور دینا سخت برا سمجھتے ہیں، زندگی میں کبھی جعلی کام نہیں کیا تھا، سلمان احمد کے فادر نے ورثے میں کافی جائیداد چھوڑی تھی اسی لئے وہ خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے، کیونکہ ان کے بھائی بہن نہیں تھے، اس لئے والد کی تمام جائیداد ان کو ہی ملی تھی، معوان احمد پولیس لائن میں نہیں جانا چاہتا تھا بلکہ وہ دادا کی طرح بزنس مین بننا چاہتا تھا اسی لئے پنجاب یونیورسٹی میں بزنس ایڈمنسٹریشن کے آخری سال میں تھا، اس کے بعد اس کا ارادہ دادا کے اسی بزنس کو سنبھالنے کا تھا جو ان کی وفات کے بعد ان کے دوست اور منیجر کے سہارے چل رہا تھا اور سلمان احمد جس کی مہینہ دو مہینہ میں خبر لے لیا کرتے تھے۔

''مما! زوباریہ کے آنے سے گھر میں کافی رونق ہو گئی ہے۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اوہوں، یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''آہم...... آہم۔'' مسز سلمان نے بیٹے

میں ہاں ملائی تھی اور زوباریہ فخر سے گلا ... نے لگی تھی۔

''محترمہ! زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں تو تمہیں مہمان سمجھ کر اپنا فرض نبھا رہا تھا، ورنہ حالات تو ایسے ہیں کہ صبح و شام تمہارے لوٹنے کی دعائیں کرتا ہوں۔'' فرضی کالر جھاڑتے اس کے ہاتھ رک سے گئے تھے۔

''نماز تو تمہیں پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی دعائیں مانگو گے اور میں اتنی بھی بری نہیں ہوں کہ تم چار دن میں ہی مجھ سے عاجز آ گئے ویسے بھی تمہاری خاطر نہیں مامی اور ماموں جان کی وجہ سے آئی ہوں۔''

''بابا! انگور کھٹے ہیں۔'' ان دونوں کی نوک جھونک پر مسکراتے سلمان احمد کو اس نے گفتگو میں شامل کیا تھا۔

''تم کچھ بھی کہو بیٹا جانی، مگر زوباریہ بیٹی نے واقعی گھر میں رونق لگا دی ہے۔'' سلمان احمد کے کہنے پر اس نے جلدی سے اسے انگوٹھا دکھاتے ہوئے منہ بھی چڑایا تھا۔

''اچھی بھلی صورت کو کیوں بگاڑتی ہو، زیادہ بگڑ گئی تو تمہیں کوئی بیاہنے بھی نہیں آئے گا۔'' وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھا۔

''تم سے زیادہ خوبصورت ہوں میں اور جتنی لڑکیاں تم پر مرتی ہیں اس سے کہیں زیادہ مجھ پر مرتی ہیں ہزاروں لڑکیوں کے نمبر ہیں میرے پاس تمہارے پاس ایک کا بھی نہیں۔'' زوباریہ والی فرینڈلی نیچر کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ جہاں جاتی وہاں اس کی دوستیں بن جایا کرتی تھیں ... نمبر تو اس کے پاس اتنے تھے کہ بعض دفعہ ... بھی نہیں آتا کہ کس لڑکی سے کب اور کہاں ... دوستی میں تبدیل ہوئی تھی۔

''مجھے کسی کا نمبر چاہیے بھی نہیں اور تم کہہ تو رہی ہو جیسے ہزاروں لڑکوں کے نمبر ہوں تمہارے پاس، کبھی کسی نے گھاس ہی نہیں ڈالی ہوگی، اب میرے جیسی شاندار پرسنیلٹی تو ہے نہیں تمہاری۔''

''میں تمہاری طرح کوئی بکرا نہیں ہوں جو مجھے کوئی گھاس ڈالے گا، تمہارے گھاس پھوس تمہیں ہی مبارک ہوں۔''

''ارے بھئی، چپ کر جاؤ دونوں، لڑنے کا موقع ملنا چاہیے۔'' ایک دوسرے سے تکرار کرنے میں لگے تھے کہ مسز سلمان نے انہیں ٹوک دیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیئے تھے۔

''زوباریہ بیٹی! تمہاری دوستوں کی تعداد آج کل کتنی ہے ہزار دو ہزار سے تو تجاوز کر گئی ہو گی۔'' سلمان احمد کے اچانک کہنے پر معوان احمد نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

پورا ہفتہ معوان احمد کا کافی بزی گزرا تھا، زوباریہ کو شاپنگ اور گھومنے کا کریز تھا اس لئے آج کل وہ یہی ڈیوٹی نبھا رہا تھا، ایک ہفتہ بعد جب زوباریہ کی واپسی ہوئی تو ایک دن گھر میں ریسٹ کرنے کے بعد اس نے پورے نو دن بعد یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا۔

''کہاں غائب ہو گئے تھے، اتنی چھٹیاں سب خیریت تو رہی؟''

''خیریت ہی خیریت تھی، بس موڈ نہیں بنا اور کون سا مجھے اٹینڈنس شارٹ ہو جانے کا خطرہ تھا، سو مزے سے چھٹیاں کرتا رہا، یہ ریحان کہاں ہے صبح سے نظر نہیں آیا اور کال بھی ریسیو نہیں کر رہا۔'' اس نے جواب دیتے ہوئے اسد سے ریحان کے بارے میں پوچھا تھا۔

''صبح ہی اس نے نہ آنے کا میسج کر دیا تھا، اب دیکھو وہ کتنے دن کی چھٹی کرتا ہے۔'' معیز

نے بتائے ہوئے خیال آرائی کی تھی اور وہ تینوں کینٹین کی جانب آ گئے تھے۔

"یار محض ایک ہفتے بعد آیا ہوں، مگر یہ چیز نئی نئی لگ رہی ہے۔" وہ اندر آتے ہوئے بولا تھا جبھی سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی تھی جسے وہ بڑے غور سے دیکھنے لگا تھا، سیاہ پرنٹیڈ لان کے سوٹ میں ہمرنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے سرخ و سفید رنگت، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن پر پہرہ دیتی سیاہ گھنیری پلکیں، گلابی ہونٹ اور ان سے ذرا نیچے چمکتا سیاہ تل ستواں ناک میں چمکتی لونگ، وہ حسن کا شاہکار تھی اور معوان احمد مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ باعتماد چال چلتی ان کے برابر سے گزر گئی تھی، وہ بے دھیانی میں پلٹا تھا اور دور تک اس کی نگاہوں نے کمر پر جھولتی سیاہ ناگن سی چوٹی پر اپنا حصار باندھے رکھا تھا۔

"معوان! آ بھی جا یار! سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اسد کی آواز پر وہ چونکتا سر جھٹک کر اس تک آیا تھا اور اس کے برابر سیٹ گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"معوان! کیا آرڈر کرنا ہے۔"

"خود ہی کوئی آرڈر کر دے، معوان تو اب تک اس حسینہ کے حسن میں جکڑا ہوا ہے۔" اسد کے کہنے پر معیز نے شرارت سے معوان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ تو کہہ رہا ہے جانتا بھی ہے معوان کو لڑکیوں سے کس قدر الرجی ہے۔"

"الرجی ہے نہیں تھی، اب تو ہمارا یار! راہ محبت کا مسافر بننے کو ہے کیوں معوان، ٹھیک کہہ رہا ہوں نہ میں؟" اسد نے معوان کو براہ راست گفتگو میں شامل کیا تھا۔

"تو نے شاید ٹھیک ہی کہا ہے اسد، مجھے لگتا ہے کہ میں پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھا ہوں۔" ان دونوں کو یقین ہی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی اعتراف کی منزل طے کر لے گا۔

"تو سیریس ہے۔" معیز بے یقین تھا۔

"ہاں۔" ایک لفظی جواب دے کر وہ ہاتھ کو دیکھنے لگا جہاں لہراتا آنچل ٹکرایا تھا، یہ سوہا صدیقی سے معوان احمد کی پہلی ملاقات تھی، جس میں وہ اپنا دل ہار گیا تھا، جبکہ سوہا صدیقی اس سے انجان تھی، پھر یہ ہونے لگا کہ جہاں جہاں سوہا صدیقی کی موجودگی کا ایک فیصد بھی یقین ہوتا معوان احمد نامحسوس طریقے سے وہاں پہنچ کر اس کے ساتھ ساتھ رہتا، ریحان کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا اس لئے وہ جامعہ نہیں آ رہا تھا اسد اور معیز قدم قدم پر اس کے ساتھ رہتے تھے۔

"یار! ایسا کب تک چلے گا، میری مان تو آنکھ مچولی کا کھیل بند کر اور صاف بات کر لے کر۔"

"چاہتا تو میں بھی یہی ہوں، مگر اس کی کوئی دوست بھی تو نہیں ہے، جس کے ذریعے اس سے بات کر لیتا اور جس کے آس پاس بھی لڑکی کو نہیں دیکھا میں جا کر بات کرونگا، تو وہ سب کی نظروں میں آ جائے گی اور میں اس کا ا[illegible] خراب نہیں کر سکتا۔" معوان احمد نے لائبریری کے لاسٹ بینچ پر بیٹھی سوہا صدیقی کو دیکھتے ہو دوست سے کہا تھا۔

"تو پھر ایسا کر اپنے ڈیڈ کے اثر رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس کا نمبر حاصل کر لے ا دل کی بات فون پر کہہ دے۔"

"نہیں اس طرح اس کا امیج خراب ہو گا گھر والو کی۔"

"او میرے بھائی، پھر تو چاہتا کیا ہے" معیز زچ ہو گیا تھا۔

"یار! ویسے بھی یہ ہمارا لاسٹ ائیر ہے ماہ بعد پیپر ہو جائیں گے اور یونیورسٹی سے را ختم، پھر تو کیسے اس لڑکی تک پہنچے گا مجھے تو لگتا لیس ہی نہیں ہے۔"

"میں سیریس ہوں، جبھی اتنا کچھ سوچ رہا ہوں میں تو سیدھے راستے پر چلنے والوں میں ہوں، چور راستے تلاشنے کی بجائے ڈائریکٹ رشتہ بھیجوں گا۔"

"یہ بات ہے تو ہر اس جگہ کیوں پہنچ جاتا جہاں اس کی موجودگی یقینی ہوتی ہے سیدھے طریقے سے رشتہ بھیج دے۔"

"اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے بغیر میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا اور جہاں تک ہر اس جگہ جہاں موجودگی ہوتی ہے پہنچنے کی بات ہے تو میں بتا نہیں سکتا، وقت جو میں یونیورسٹی سے جانے کے بعد گھر جا کر گزارتا ہوں تو کیسے گزرتا ہے رات ہوتی نہیں اور صبح کا انتظار شروع کر دیتا ہوں تا کہ سوہا کو دیکھ سکوں، آج ذرا دیر سے سوہا کی جھلک دیکھنے کو ملی تو بتا نہیں سکتا کہ میرا کیا حال ہو گیا تھا اس کو دیکھ کر لگتا ہے میں جی اٹھا ہوں اور جب نظر نہیں آتی تو دل کی دھڑکن رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے چند ہی ملاقاتوں میں یہ لڑکی میرا قرار میرا سکون بن گئی ہے، مجھے خود سے محبت ہو گئی ہے اسد، اپنی آنکھوں سے جن کے ذریعے میں اس کو دیکھتا ہوں، ہونٹوں سے جن میں اس کا نام لیتا ہوں، دھڑکنوں سے جو صرف ان کے نام پر دھڑکتی ہیں، میرے تو روم روم میں سوہا صدیقی بس گئی ہے، وہ نہ ملی تو میں...... میں نہیں رہوں گا، مسکرانا بھول جاؤں گا، جیون ہار دوں گا، کچھ کر سکتے ہو نہ میرے لئے تو دعا کرو کہ خدا معوان احمد کے نصیب میں سوہا صدیقی کو لکھ دے، اس کے بعد [illegible] کی ہر خوشی سے معوان احمد کو محروم کر دے۔" وہ دونوں اس کی جنونی سی کیفیت بڑی [illegible] سے دیکھ رہے تھے۔

[illegible] ان احمد جو لڑکیوں کے نام سے ہی [illegible] کی [illegible] نام لبوں سے ادا کرنا عبادت سمجھ رہا ہے، وہ معوان احمد جو محبت کی ہجو سے ناواقف تھا آج وہ ایک لڑکی کی محبت میں اتنا آگے بڑھا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ سراپا عشق معلوم ہوتا تھا وہ معوان احمد جس نے کبھی دعا نہیں مانگی تھی، تقدیر کو سب کچھ سمجھتا تھا، آج اس کا ایمان دعا پہ پکا ہو گیا تھا، وہ لوگوں سے دعا کرنے کو کہہ رہا تھا، اسے خود سے کائنات کی ہر شے سے محبت ہونے لگی تھی، ہر اک شے میں اسے سوہا صدیقی نظر آتی تھی اور ایک ایک شے اسے دل کے بہت ہی قریب محسوس ہوتی تھی۔

"آپ کو کیا ہوا ہے؟" وہ کیمپس کی نہر کے کنارے اسے بیٹھی نظر آئی تھی، معیز نے کہا کہ یہاں دور دور تک کسی کے آنے کا امکان نہیں ہے اور جو پہلے سے اس کے پاس موجود ہیں وہ اپنے آپ میں مگن ہیں اس لئے یہ وقت اس سے بات کرنے کے لئے ایکدم مناسب ہے مگر اس نے انکار کر دیا اور اس سے تھوڑے فاصلے پہ معیز کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، معیز سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے دوران اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ رو رہی ہے اور وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس تک گیا تھا اور اب اس کے عین سامنے کھڑا استفسار کر رہا تھا، سوہا صدیقی نے آواز پہ نگاہ اونچی کی تھی، سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، جبکہ وہ بے خود سا ہو گیا تھا سوہا صدیقی اس کے یوں دیکھنے پہ آنچل کے کونے سے آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور وہ ہوش میں آ گیا تھا۔

"مس سوہا! رو کیوں رہی ہیں؟ کوئی پرابلم ہے تو پلیز مجھے بتایئے۔" وہ بڑی اپنائیت سے کہہ رہا تھا جبکہ وہ ایک اجنبی کے منہ سے اپنا نام سن کر متحیر رہ گئی تھی، مگر بولی کچھ نہ تھی۔

"آپ یہی سوچ رہی ہیں کہ مجھے آپ کا نام کیسے پتہ چلا، تو سوہا، بات صرف اتنی ہے جو

لوگ دل کے قریب ہوں ان کے بارے میں معلومات رکھنا دل کو بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں تحریر سوال پڑھ کر بولا تھا اور اس کی بات سے سیاہ آنکھوں کی حیرانگی کچھ اور بڑھ گئی تھی اور گلابی چہرے پہ ناگواری سی در آئی تھی۔

"آئی ایم سوری، سوہا میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا، میں تو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں جب سے آپ کو دیکھا ہے نظر کہیں اور جاتی ہی نہیں ہے، مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے سوہا اور میں آپ کے گھر اپنے پیرنٹس کو بھیجنا چاہتا ہوں، میرے دل کی دنیا لٹنے سے بچانے کے لئے صرف اتنا کہہ دیں کہ آپ کہیں انگیج نہیں ہیں۔" وہ جانے کے لئے قدم بڑھا رہی تھی وہ یکدم اس کے راستے میں آ گیا تھا۔

"سوہا! میں آپ کو نہ تنگ کر رہا ہوں اور نہ ہی تنگ کرنا چاہتا ہوں میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، جانے سے قبل بس اتنا بتا دیں کہ میں اپنی قسمت آزما سکتا ہوں آپ کا ایک لفظی جواب "ہاں" میرے دل کی دنیا آباد کر سکتا ہے، چپ نہ رہیں سوہا، مجھے زاد راہ دے دیں میں آپ سے آپ کو نہیں مانگ رہا نہ ہی آپ کا اقرار مانگتا ہوں صرف مجھے قسمت آزمانے کا موقع دے دیں، پلیز سوہا، کچھ تو بولیں۔" وہ کسی فقیر کی طرح اس حسن کے پیکر کے سامنے گڑگڑا رہا تھا وہ پہلے تو بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، جاتے جاتے کتاب اٹھانا بھی بھول گئی جبکہ وہ ساکت کھڑا اسے نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھ رہا تھا، کتنی ہی دیر اسے یونہی کھڑے کھڑے معیز دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کا کاندھا ہلایا اور وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، معیز کو اس کی سیاہ آنکھوں میں کچھ ٹوٹنے اور کھو جانے کی تکلیف محسوس ہوئی تھی اور دو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پہ بہہ گئے تھے جس کا اسے احساس ہی نہ تھا۔

"معوان!" جب وہ کافی دیر کچھ نہ بولا تو اسے کاندھا پکڑ کر ہلاتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

"معیز! وہ چلی گئی کتنی خاموشی سے چلی گئی میں نے اس سے کچھ بھی تو نہیں مانگا، صرف اتنا کہ وہ مجھے پرپوزل بھیجنے کا جواز دے دیں مگر وہ مجھے بہت خالی کر گئی، کیوں معیز کیوں اس نے ہاں نہیں کہا، کیا وہ کسی سے منسوب ہے معیز، ایسا ہے تو میں مر جاؤں گا معیز اس کی بھیگی پلکیں مجھے مجھ سے جدا کر رہی ہیں وہ مجھے نہ ملی تو میں جیتے جی مر جاؤں گا کچھ کر، معیز، میں مر رہا ہوں، یہ احساس مجھے کچوکے لگا رہا ہے کہ وہ کسی سے منسوب ہے، وہ میری نہ ہو سکے گی، وہ میری ہو جائے گی نہ معیز وہ میری پہلی چاہت، میرا عشق ہے، وہ مجھ سے جدا تو نہ ہو گی تو بھی اس کی طرح چپ کیوں ہے، تم لوگوں کی خاموشی مجھے زندہ درگور کر دے گی، مجھے مرنے کے بچا لو کچھ کرو معیز پتہ کرو وہ کیوں بنا جواب دیئے چلی گئی، کچھ ایسی خبر لاؤ جو میرے لئے جینے کا ساماں کر سکے۔" اس کی عجیب جنونی سی کیفیت معیز کو پریشان کر گئی تھی، جبکہ وہ تو اپنے آپ میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔

"ریلیکس معوان! تو پریشان نہ ہو، وہ کسی سے منسوب نہیں ہے، میرے یار ایک اجنبی کے منہ سے وہ سب سن کر وہ پریشان ہو گئی ہو گی، اس لئے خاموشی سے سامنے سے ہٹ گئی، تو زیادہ مت سوچ، ویسا نہیں ہے جیسا تو سوچ رہا ہے اللہ سب بہتر کرے گا سوہا، تیرا نصیب ضرور بنے گی۔" معوان جو اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ایک جذب کے عالم میں اس نے "آمین" کہا تھا اور معیز کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا [illegible] وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، جاتے ہوئے معیز کی نگاہ کتاب پر پڑی تھی جسے اٹھا کر وہ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گیا تھا۔

معوان احمد کو تو کہیں چین ہی نہیں پڑتا تھا اور دوست کی حالت کے پیش نظر معیز نے سوہا کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور جو اسے معلوم ہوا تھا وہ معوان کو بتانے کی اس میں ہمت نہ تھی کیونکہ اس کی جنونی کیفیت اس سے چھپی ہوئی ہرگز نہ تھی، جبکہ معوان آج کل سوہا صدیقی سے بات کرنے کے مواقع ڈھونڈ رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سوہا صدیقی سے بات کرنے سے اسے اذیت سے دوچار کر دے گی، اس لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ معوان اس سے بات نہ کرے مگر جب قسمت میں لکھ دیا جاتا ہے تو اس سے فرار ممکن نہیں ہوتی، وہ بھی ایک عام ساون تھا گری کا زور معمول سے کہیں زیادہ تھا کہ ایک دم موسم ابر آلود ہو گیا تھا، یہ موسم معوان احمد کو بہت زیادہ پسند تھا اور آج کل وہ جتنا ڈپریس تھا وہ معیز سے چھپا نہ تھا اسی لئے معیز نے اس کو لانگ ڈرائیو کے لئے راضی کر لیا تھا وہ باقی کلاسز لینے کا ارادہ ترک کرتے پارکنگ ایریا کی جانب بڑھے تھے کہ ایکدم ہی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی وہ ہلکی بارش میں بھیگتے باتیں کرتے ہوئے چل رہے تھے اور ان کی رفتار سست روی کا شکار تھی کہ معوان کو اپنی پشت پر آہٹ سی محسوس ہوئی تھی وہ پلٹا تھا اور اس کی نگاہ گھبرائی ہوئی سوہا صدیقی پر اٹک گئی تھی جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور [illegible] آسمان سے کہیں زیادہ تیزی سے برس [illegible] ان نے معیز کو سوالیہ نگاہوں سے [illegible] تھا، [illegible] بھی سوہا کے پیچھے آنے والے دونوں [illegible] دونوں کو دیکھ کر بڑی خاموشی سے پلٹ [illegible] ان کی توجہ صرف سوہا پر تھی اس لئے اس نے کچھ نہیں دیکھا تھا جبکہ معیز سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں اور آرام سے جائیں وہ جا چکے ہیں اور آپ کو اب تنگ نہیں کریں گے۔" معیز کے کہنے پر ایک تشکر بھری نگاہ سوہا نے اس پر ڈالی تھی جبکہ وہ متحیر سا اسے دیکھنے لگا تھا اور اس کی نگاہ کے جھکتے ہی وہ جانے کے لئے پلٹ گئی تھی کہ معوان کو جیسے ہی احساس ہوا تھا وہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"آج آپ خاموشی سے نہیں جا سکتیں سوہا، آپ کو میری اذیت کا اندازہ ہی نہیں ہے، میں آپ کی محبت میں بہت آگے بڑھ گیا ہوں اور آپ کی بے نیازی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی غور سے دیکھیں میری طرف مجھ میں کمی کیا ہے پروانہ بن کر شمع محبت پر مر مٹنے کے لئے تیار ہوں اور آپ ہیں کہ اس خاموشی کو توڑتی ہی نہیں، آپ کی اس چپ سے کیا اخذ کروں میں کہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں یا آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں کہ مجھے اپنے جیون کا حصہ بنا لیں، جواب دیں سوہا، کیا کمی ہے مجھ میں جواب دیں۔" وہ اسے کاندھے سے تھامے جھنجھوڑ رہا تھا اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکی تھی کہ کمی اس میں نہیں خود اس میں موجود ہے، وہ جس چپ کو توڑنے کا متمنی ہے وہ اس چپ کے ساتھ ہی دنیا میں آئی تھی اور یہی بہت بڑی حقیقت تھی جو معیز اس سے چھپانا چاہتا تھا کہ گولڈ میڈلسٹ سوہا صدیقی بولنے کی صلاحیت سے پیدائشی طور پر محروم تھی۔

"معوان! ہوش میں آ، کیا کر رہا ہے، کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا اپنے نہیں تو سوہا کے بارے میں تو سوچ۔" بے بسی سے آنسو بہاتی لڑکی اور جذبات کی رو میں بہتے دوست دونوں پر ہی اسے ترس سا آیا تھا۔

"میں کیا کر رہا ہوں کچھ بھی تو نہیں بس اتنا

ہی کہ سوہا مجھ سے کوئی بات کرے، میری محبت کا جواب محبت سے نہ دے مجھے میری محبت آزما لینے کا عندیہ تو دے، مگر یہ ہے کہ خاموشی کی ردا اوڑھے کھڑی میرا صبر آزما رہی ہے۔"

"کیونکہ ازل سے سوہا کے لبوں پر تالے پڑے ہیں، جس خاموشی کو تو توڑنا چاہتا ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتی کیونکہ یہ خاموشی سوہا کے مقدر میں لکھی گئی ہے۔" معیز کے انکشاف پر اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا وہ کبھی سوہا کو بے یقینی سے دیکھتا تو کبھی معیز کو، معیز نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، بارش ایکدم ہی تیز ہو گئی تھی اور وہ بھیگی آنکھوں سے پل پل دور جاتی سوہا صدیقی کو دیکھ رہا تھا، معیز نے اس کو چلنے کو کہا تھا مگر اس نے اسے جانے کا کہہ کر خود جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"پلیز! معیز مجھے اکیلا چھوڑ دو، میں کچھ دیر یہیں بڑی خاموشی سے رہنا چاہتا ہوں، چلے جاؤ پلیز...... معیز۔" وہ چیختا ہوا سر تھامے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا آتے جاتے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر معیز بے بسی سے کھڑا اسے ٹوٹتا بکھرتا دیکھ رہا تھا مگر آگے بڑھ کر دلاسہ دینے کی خود میں ہمت نہیں پا رہا تھا اور اس دن کے بعد معوان احمد ایک چپ سی لگ گئی تھی، معوان کے پیرنٹس اس کی بدلتی ہوئی روٹین اور کھوئی کھوئی کیفیت کو لے کر ازحد پریشان تھے جبکہ وہ یونیورسٹی میں بھی ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے، ڈیپارٹمنٹ میں چکراتا پھرتا تھا، سوہا اس دن کے بعد اسے نظر نہیں آئی تھی اور اس کا جنون تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، ریحان صدیقی اسے دیکھ کر سخت متفکر ہو گیا تھا اور جب وہ اسے پوچھ پوچھ کر تھک گیا تو ساری بات معیز نے اسے بتا دی تھی وہ بھی دوست کے لئے پریشان ہو گیا تھا اور اس لڑکی کو دیکھنے کی خواہش بھی اس کے اندر جنم لے چکی تھی جس نے اس کے دوست کو یکسر بدل کے رکھ دیا تھا۔

ٹھیک ایک ہفتہ بعد اسے سوہا نہر کے کنارے بیٹھی نظر آئی تھی اور اس کے قدم خود بہ خود اس تک اٹھ آئے تھے کیونکہ معوان احمد کا ہر راستہ سوہا صدیقی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتا تھا، سوہا اسے اپنے سامنے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ بغور اسے دیکھنے لگا تھا کتنا مکمل حسن تھا اتنی بڑی محرومی بھی تھی وہ اس کے یک ٹک دیکھنے پر گھبراہٹ کا شکار ہو گئی تھی جانے کو پر تولنے لگی تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کا راستہ روک گیا تھا۔

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا، سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔" وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی اور وہ بھی اس سے کچھ فاصلے پر ہی ٹک گیا تھا۔

"محبت پر میرا کبھی یقین نہیں رہا تھا مگر جب تمہیں دیکھا تو سارے ایمان ڈانوا ڈول ہو گئے پہلی نظر کی تم سے محبت کی ہے، میری نظر کی خطا ہے یا تمہارے معصوم حسن کی مگر خطا ہو چکی ہے، میں محبت پر ایمان لے آیا، میں جو صرف قسمت کو مانتا تھا، دل کا موسم بدلا تو دعا پر بھی یقین آ گیا، جب دل سے کہتا کہ "کاش! تم نظر آ جاؤ اسی وقت تم مجھے کہیں نہ کہیں نظر آ جاتیں، تمہاری ایک جھلک میرے دل کی دنیا کو کیسے روشن کرتی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا چاہوں تو لفظ ختم ہو جائیں، میں نے یہی سوچا تھا کہ اپنی محبت کو رسوا نہ کروں گا اور سیدھے طریقے سے شادی کر کے حال دل سناؤں گا۔" اور جب اس دن اسی جگہ تم مجھے اکیلی نظر آئیں اور نہ محسوس طریقے سے میں تم تک جا پہنچا، تمہاری خاموشی مجھے انکار کی طرح لگی اور دل کی دنیا تھی کہ ویرانیوں کی زد میں آ گئی اور وہ قیامت خیز دن جب میری سماعتوں کو سننا پڑا کہ تم وہ کچھ بل رو کر

اور پھر بولا۔

"سوہا، میں نے تم سے بے حساب محبت کی ہے اور تمہیں دلہن بنانے کی خواہش ہے اور آج بھی پہلے دن کی طرح تم سے میرا یہی سوال ہے کہ "تم مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ جو پانی پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا اب اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا تاکہ اپنا جواب ان آنکھوں میں ڈھونڈ سکے۔

"تم کس قابل ہو یہ میرے دل سے پوچھو، تم میں کوئی کمی ہے بھی تو مجھے وہ بھی دل سے قبول ہے صرف ایک بار کہہ دو کہ میں اس قابل ہوں کہ تم جیسی اچھی لڑکی کے سپنے دیکھ سکوں، تمہارا پرپوزل بھیجوں تمہیں جیون میں لاؤں، اپنا سونا جیون تمہارے دم سے آباد کروں، صرف اتنا کہہ دو، سوہا اپنا سونا جیون تمہارے دم سے آباد کروں، صرف اتنا کہہ دو سوہا کہ میں تمہارے قابل ہوں، ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گا۔" اس نے بہت تڑپ کر معوان کے لبوں پر اپنا موی ہاتھ رکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں معوان نے دیکھا تھا اور اسے اپنے وجود کی تکمیل ہوتی محسوس ہوئی تھی اس نے بڑی عقیدت سے سوہا صدیقی کا ہاتھ تھام لیا تھا، اسے یہ احساس کہ راہ محبت میں وہ تنہا نہیں ہے ایک نیا جیون بخش گیا تھا، سوہا صدیقی، وہ محبت کے سفر میں اس کے ساتھ کب چلنے لگی اسے پتا ہی چلا تھا، وہ جہاں جاتی ایک سایہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا اور اسے وہ سایہ بھانے لگا تھا، وہ دور دور سے اسے دیکھتا وہ بھی دور ہی سے دیکھتی خوش تھی اور اس کے لئے تو یہی بہت تھا کہ کوئی اسے اتنا چاہتا اور دل سے اسے اپنانے کو تیار ہے کیونکہ اس نے اپنی پوری زندگی میں زیادہ رحم و ترس لوگوں کے رویوں سے دیکھا، ... کی ایک پاک نگاہ و محبت نے اسے ... کر دیا تھا سارے احساس محرومی دھل ... کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھی کہ اس نے ایک محرومی کا کتنی خوبصورتی سے ازالہ کیا تھا۔

معوان احمد آج کل بہت خوش تھا وہ اور سوہا نہ بات کرتے اور نہ ہی ان کے درمیان ملاقات ہوتی تھی ایک خاموش محبت ان کے درمیان پروان چڑھ رہی تھی ان دنوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے، ہم کلام ہوتیں اور وہ مطمئن رہنے لگے تھے اور انہی دنوں مسز سلمان نے معوان احمد سے اس کی اور زوباریہ کی شادی کی بات کی تھی جسے سن کر وہ دیر تو بول ہی نہیں سکا تھا۔

"مما! زوباریہ! میرے لئے بہت اہم ہے، اس کی اور میری انڈر اسٹینڈنگ بھی بہت اچھی ہے، مگر ہم نے کبھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا، ہم صرف اچھے دوست۔" وہ ان سے نظریں چراتا بولا۔

"مگر بھیا اور بھابھی بھی اس رشتے سے خوش ہیں معوان!" وہ حیران سی کہہ رہی تھیں۔

"مما! مگر میں اور زوباریہ ایسا نہیں چاہتے، آپ مجھے یہ بتائیے، آپ لوگوں نے زوباریہ سے پوچھا ہے۔" ان کا سر نفی میں ہل گیا تھا۔

"مما! اس سے پوچھیں گی تو وہ انکار کر دے گی، ہم اچھے دوست ہیں اور میں اور وہ بھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے، میں جانتا ہوں مما، زوباریہ اپنے کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ ہے اور اس دفعہ وہ مجھے یہی بتانے آئی تھی اور اس نے مجھے احسن سے ملوایا بھی ہے، احسن یہاں ہی رہتا ہے۔" معوان احمد نے انہیں ساری تفصیل کہہ سنائی تھی۔

"اور تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟ کسی میں انٹرسٹڈ ہو یا میں خود تمہارے لئے لڑکی پسند کر لوں۔" وہ بیٹے کو پیار سے دیکھتے ہوئے اس کی مرضی پوچھ رہی تھیں۔

"مما! اگر میں یہ کہوں کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے تمہاری پسند کردہ لڑکی کو بہو بنانے میں اعتراض۔" وہ پل بھر کو رکیں تھیں اور وہ بڑی امید سے ماں کو دیکھنے لگا تھا۔

"نہیں ہوگا۔" وہ مسکرائیں تھیں اور وہ بھی ہنس دیا تھا۔

"ہائے واؤ، وہ ہے کون اور میرے بیٹے کو کہاں ملی؟"

"مما! اس اس کے نام کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی تمنا ہے، میرے لئے بس یہی کافی ہے کہ گلابی چہرے والی لڑکی سے میں محبت کرتا ہوں، وہ اس دنیا کی سب سے خاص لڑکی ہے، جو میرے دل میں اور میں اس کے دل میں بستا ہوں، مما آپ اس کا رشتہ میرے لئے لے کر جائیں گی نہ۔"

"بھئی، مجھے اس کا نام پتہ دو گے تو جاؤں گی، میں بھی تو دیکھوں، اس میں اتنا خاص کیا ہے کہ میرا بیٹا محبت کرنا سیکھ گیا ہے۔" انہوں نے بیٹے کے کان کھینچتے ہوئے شرارت سے پر لہجے میں کہا تھا۔

"مما! اس کو دیکھیں گی نہ تو آپ خود کہیں گی وہ ہے ہی چاہے جانے کے قابل اور آپ اس سے ٹھیک گیارہ دن بعد مل سکتی ہیں، اسٹوڈنٹ ویک میں ایک شو آرگنائز کر رہے ہیں، اس میں آپ......"

"تم تو جانتے ہو معوان، پارٹیز وغیرہ مجھے پسند نہیں اس لئے تم اس کی تصویر مجھے دکھا دینا اور میں فیصلہ کر کے بتا دوں گی کہ وہ میری بہو بن سکتی ہے یا نہیں۔"

"نہیں، تو آپ کہہ ہی نہیں سکتی، مما! اس کو دیکھتے ہی آپ دیوانی ہو جائیں گی۔"

"دیوانی اور تمہاری مما! ہمیں دیکھ کر تو محترمہ دیوانی ہوئی نہیں تھیں۔" سلمان احمد نے بھرپور انداز میں انٹری دی تھی اور وہ شوہر کو گھورتیں بیٹے کا حال دل سنانے لگی تھیں۔

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے
شعر پڑھنے لگے، گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی
اب تو جب دیکھیے مسکرانے لگے

معوان احمد کی خوبصورت آواز ہال میں گونج رہی تھی اور اس کی نگاہ نے سوہا صدیقی کے گرد حصار کھینچا ہوا تھا۔

ہم کو لوگوں سے ملنے کا کب شوق تھا
محفل آرائی کا کب ہمیں ذوق تھا
آپ کے واسطے ہم نے یہ بھی کیا
ملنے جلنے لگے آنے جانے لگے
آپ سے مل کر ہم ....

گانے کے اختتام پر ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا تھا، معوان احمد اسٹیج سے اتر کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھا تھا اور اس کی سیٹ کے برابر سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد جو لائن تھی اس میں معوان احمد ہی کی سیدھ میں سوہا صدیقی بیٹھی تھی، جس پر وہ گاہے بگاہے نظر ڈال لیتا تھا، وہ گلابی رنگ کے لباس میں نیچرل میک اپ کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی، پروگرام ختم نہیں ہوا تھا اور اسے اکتاہٹ ہو رہی تھی مگر وہ صرف سوہا صدیقی کی وجہ سے بیٹھا ہوا تھا۔

"یار! مجھے تو تیرے اٹھنے کے ذرا بھی ارادے نظر نہیں آ رہے اس لئے میں تو جا رہا ہوں، سخت بوریت محسوس ہو رہی ہے۔" اسد کہتا ہوا ہال سے نکل گیا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں اسے ریحان کا میسج آ گیا تھا کہ "کب تک آئے گا" اس لئے وہ سوہا کو اشارے سے خدا حافظ کہتا کھڑا ہو گیا تھا، سوہا صدیقی بھی اس کے پیچھے نکل آئی تھی کیونکہ وہ تو صرف معوان احمد کے لئے وہاں آئی تھی، اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے وہ پلٹا تھا سوہا صدیقی اس کے عین سامنے تھی اور اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا تھا، معوان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور وہ اسے گانے کی تعریف کرتے ہوئے آٹوگراف دینے کا کہہ رہی تھی، معوان نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور ہتھیلی پر جگمگاتے سیاہ تل کے ذرا نیچے بڑی خوبصورتی سے معوان احمد لکھ دیا تھا اور وہ تھینکس کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی، مگر دل میں کسی کو اپنا مان لینے یا ہاتھوں پر نام لکھ دینے سے قدرت کا لکھا نہیں مٹتا، یہ سارا منظر کچھ فاصلے پر کھڑے ریحان صدیقی نے کچھ حیرت اور کچھ غصے سے دیکھا تھا، کیونکہ معیز سے ساری تفصیل جاننے کے بعد اسے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ وہ لڑکی جس سے معوان احمد محبت کر بیٹھا ہے وہ اس کی بہن سوہا صدیقی ہوگی، جبکہ معیز نے یہ بھی بتایا تھا کہ لڑکی بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، جب ان دونوں کی نظر ریحان پر پڑی تھی تو معوان کو کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا جبکہ سوہا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور جو معوان احمد سے چھپا نہیں رہا تھا۔

"سوہا! پریشان نہ ہوں، ایسی کوئی بات نہیں جو آپ اتنا گھبرا رہی ہیں، یہ ریحان ہے میرے بچپن کا دوست اور ریحان یہی سوہا صدیقی، ہے جس سے تیرا دوست پہلی نظر میں محبت کر بیٹھا تھا بہت جلد مما، کو سوہا کے گھر بھیجنے والا ہے، تو یہ سوہا، کیسی لگی؟" وہ ان کے رشتے سے انجان ہی کہے جا رہا تھا جہاں ریحان کا غصہ بڑھ گیا تھا وہیں سوہا کو اپنے ہی پیروں پر کھڑا رہنا مشکل لگ رہا تھا۔

"تم سوہا کو کب سے جانتے ہو؟"

"کل ہی ملا ہوں۔"

اور میں سوہا کو اس کی پیدائش کے دن سے جانتا ہوں، فار یور کائنٹ انفارمیشن، مسٹر معوان احمد، شی از مائی سسٹر، معوان اس انکشاف پر متحیر رہ گیا تھا، جبکہ ریحان نے سوہا کا ہاتھ تھاما تھا اور ایک ملامت آمیز نگاہ اس پر ڈالتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"معیز! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں ریحان کو کس طرح سمجھاؤں اس سے کس طرح بات کروں کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے، وہ تو میری کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہے۔" معوان نے ریحان سے جب بھی رابطہ کرنا چاہا اس نے اس کی ہر ایک کوشش ناکام بنا دی اور یہ بات اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔

"معوان! تو پریشان نہ ہو اور میری مان تو کچھ دن اس سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش بھی نہ کر، وہ اس وقت غصہ میں ہے اور اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس طرح ری ایکٹ کرتا۔"

"کیوں کرتا اس طرح کا ری ایکٹ، میں نے کون سا گناہ کر دیا ہے، محبت کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں، میں کون سا فلرٹ کر رہا ہوں جو ریحان اتنے غصے میں ہے۔"

"وہ ریحان کی بہن ہے اور یہ رشتہ بہت نازک۔"

"میں نے کب کہا کہ سوہا کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے، ہر لڑکی کا بھائی بھی ہوتا ہے اور باپ بھی اور غیرت کا معاملہ تو جب آئے جب لڑکی کچھ غلط کرے، سوہا نے یا میں نے کچھ غلط نہیں کیا، ہم نے روایتی محبت کرنے والوں کی مانند ملاقاتیں بھی نہیں کیں، کیونکہ میں تو خود اس چیز کو اچھا نہیں سمجھتا، ریحان کی اگر وہ عزت ہے تو میری محبت ہے جسے میں بہت عزت کے ساتھ اپنانا چاہتا ہوں، تو جانتا ہے نہ مما نے مجھے سوہا، کی

تصویر لے کر انہیں دکھانے کو کہا تھا مگر میں نے اس کی تصویر نہیں لی کیونکہ یہ مجھے مناسب نہیں لگا اور ریحان مجھ پر شک کر رہا ہے جب کہ وہ مجھے جانتا بھی ہے ہمارا ساتھ دو چار دنوں کا نہیں بائیس سال کا ساتھ ہے اور وہ اتنے سالوں کی دوستی میں مجھے سمجھ نہیں سکا تو تف ہے ہماری دوستی پر وہ ریحان کے رویے سے بہت زیادہ ہرٹ ہوا تھا، معیز کچھ کہتا کہ اس کی نگاہ دروازہ میں کھڑے ریحان پر پڑی تھی اور وہ اندر چلا آیا تھا۔

”میں نہ تم پر شک کر رہا ہوں اور نہ ہی میرا یقین میری بہن کو لے کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔“ ریحان کی آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

”مگر تمہارا رویہ تو یہی کہہ رہا ہے؟“ معوان شکوہ کیا تھا جبکہ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا اور اس مسکراہٹ میں تکلیف کے آثار پوشیدہ تھے۔

”معوان! تو حقیقت کا سامنا کر نہیں رہا، یا شاید تو جان کر اس کو نظر انداز کر رہا ہے، مگر میں حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا اور یہ کڑوی حقیقت میں نہیں بھول سکتا کہ میری بہن، بولنے سے محروم ہے اور اس کی یہ محرومی معمولی نہیں ہے، تم محبت کی خاطر اس محرومی کو نظر انداز کر سکتے ہو مگر تمہارے والدین وہ اپنے مکمل بیٹے کے لئے ایک نامکمل لڑکی کا انتخاب نہیں کریں گے۔“ وہ معوان احمد کے ہاتھ تھام کر بے بسی سے بولا۔

”یہ تمہارا نہیں ریحان! میرا مسئلہ ہے، جو بات میرے لئے اہم نہیں ہے وہ میرے پیرنٹس کی نگاہ میں بھی غیر اہم ہی ہوگی اور میں تمہاری بات کو سچ مان لوں بھی تو یہ میرا مسئلہ ہے کہ میں اپنے پیرنٹس کو کیسے راضی کرتا ہوں، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ شادی مجھے سوہا، سے ہی کرنی ہے۔“ لہجہ بے لچک اور ٹھوس تھا۔

”معوان! میں اگر اپنی بہن کے بارے میں سوچوں تو تم واقعی اس قابل ہو کہ میری بہن کے جیون ساتھی بن سکو، کیونکہ تم اتنے اچھے ہو کہ تمہارا ساتھ کسی بھی لڑکی کا جیون سنوار سکتا ہے، لیکن اگر میں تمہارے بارے میں سوچوں تو سوہا اپنے کردار اور سیرت کے باوجود تمہارے لائق نہیں ہے کیونکہ تم نامکمل نہیں ہر لحاظ سے مکمل لڑکی ڈیزرو کرتے ہو، اس لئے بہتر ہوگا کہ تم سوہا، سے شادی کا خیال دل سے نکال دو۔“ ریحان خود غرض نہیں تھا کہ صرف بہن کے بارے میں سوچتا اور بچپن کے دوست کو اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھا دیتا۔

”تجھے میری پرواہ اور میری خوشی کا خیال ہے نہ ریحان، تو اتنا سمجھ لے کہ میری خوشی صرف اور صرف سوہا سے جڑی ہے، مجھے شادی صرف سوہا سے ہی کرنی ہے اور یہ بات جب سے علم میں آئی ہے کہ وہ تیری بہن ہے تو دل کو ایک اطمینان سا نصیب ہوا ہے تیرے بارے میں آنکھیں بند کر کے بھی کہہ سکتا ہوں کہ تو کچھ غلط نہیں کر سکتا اور جب تو اتنا اچھا ہے تو تیری بہن تجھ سے زیادہ نہیں تو کم از کم تیری جیسی تو ہوگی اب تو مما، کی راضی کرنے میں بھی کوئی پرابلم نہیں ہوگی، وہ خود مجھ سے زیادہ تیری تعریف میں رطب اللسان رہتی ہیں۔“ معوان نے دوستانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے گومگو کی کیفیت میں کھڑے ریحان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

”لیکن، معوان...... سوہا! بول نہیں سکتی۔“

”میں اس کی آواز بنوں گا ریحان! تو مجھ پر بھروسہ کر کے تو دیکھ، میں تیرے بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دوں گا، میں سوہا کی ہر محرومی کا ازالہ کروں گا، اس کو پلکوں پر بٹھا کر کے رکھوں گا، تیرے آگے دست سوال بلند کرتا ہوں، ریحان اپنی بہن کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔“

بہت پیار سے رکھوں گا، زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر، بس ایک تیری ہاں، مجھے میری محبت دے دے، میری محبت مجھے دے دو، ریحان، پلیز...... ریحان۔“ ریحان نے اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں سچائی اور لبوں پر التجا تھی اور فیصلہ ہو گیا تھا۔

”میری طرف سے تو اقرار ہے معوان! لیکن تو پہلے اپنے پیرنٹس کو سوہا کے بارے میں سب کچھ بتا دے، ایسا نہ ہو کہ وہ انکار کر دیں اور تو بھی ہار جائے، کیونکہ جتنی مجھے سوہا عزیز ہے، اتنا ہی تو بھی مجھے عزیز ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ میرا دوست کوئی وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کر سکے، اس لئے تم اپنے پیرنٹس سے بات کرو اور تب تک یہی سمجھنا کہ تم نے صرف اپنے دوست کو حال دل سنایا ہے اگر تمہارے پیرنٹس راضی ہو گئے تب میں سوہا کے بھائی کی حیثیت سے بات کروں گا اس سے پہلے نہیں کیونکہ میں اپنی بہن کو ڈی گریڈ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“ ریحان اس کے ہاتھ پر ہلکے سے دباؤ ڈالتا معیز کے گھر سے نکل گیا تھا۔

ریحان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جو عیب محبت میں معوان احمد کو دکھائی نہیں دے رہا، وہی عیب اس کے پیرنٹس کو اتنا بڑا لگے گا کہ وہ اس شادی سے انکار کر دیں گے، مسز سلمان کو بیٹے کی پسند پر اعتراض نہیں تھا مگر جب معوان نے انہیں متعلق تلخ سچائی بتائی تھی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

”مما آپ سمجھنے کی کوشش......“

”کی مجھے نہیں تمہیں ضرورت ہے، وہ ایک ایلیمنٹس سے میچ کھاتی ہے اور نہ ہی، اس لئے بہتر ہوگا کہ تم اس کا خیال دل سے نکال دو۔“

”مما! سوہا کا خیال دل سے اب تو موت کے بعد بھی نہیں نکلے گا، وہ غریب ہے تو مجھے قبول ہے اور بولنے سے محروم ہے تو بھی مجھے قبول ہے۔“

”لیکن مجھے ایک گونگی بہو قبول نہیں ہے۔“

”مما! پلیز سوہا کے بارے میں اس طرح نہ بولیں، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“ اسے ماں کی اس طرح بولنا سخت برا لگا تھا اس لئے فوراً ٹوک گیا تھا۔

”میرے کہنے پہ یہ عالم ہے تو جب ایک دنیا کہے گی تب کیا کرو گے؟ کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ وہ لڑکی جس سے تم محبت کے دعوے دار ہو، شادی کرنا چاہتے ہو بول نہیں سکتی گونگی ہے وہ۔“

”فار گاڈ سیک مما! ایک ہی بات کیوں کہے جا رہی ہیں، سوہا مجھے اس کی تمام محرومیوں سمیت قبول ہے تو آپ کو کیا اعتراض ہے، دنیا والوں کی بھی آپ پرواہ نہ کریں، مجھے کسی کے بھی کچھ بھی کہنے سے فرق نہیں پڑتا اور مما میں سوہا سے محبت کا محض دعویدار نہیں ہوں، اس کو روح کی گہرائی سے چاہتا ہوں، اس لئے پلیز، میری محبت کی راہ میں دیوار بن کر کھڑا ہونے کی بجائے میری راہ کے کانٹے چن لیجئے، سوہا کو اس کے گھر والوں سے مانگ لائیں، مما میری خوشی کی خاطر کیونکہ سوہا سے ہی میری خوشیاں جڑی ہیں۔“

”اور میری خوشیاں صرف تم سے، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو اور میں تمہاری شادی ایک نامکمل لڑکی سے نہیں کر سکتی، اس لئے بہتر ہوگا کہ اس قصہ کو یہی ختم کر دو، سوہا تمہارا نصیب نہیں بن سکتی۔“

”سوہا صرف میرا نصیب ہے مما، وہ نہ کسی اور کی ہو سکتی ہے اور نہ ہی میں کسی اور کو اپناؤں گا، آپ میری شادی سوہا سے نہیں کر سکتیں، تب بھی میں اسی سے شادی کروں گا، آپ سوچ لیں مما،

اگر آپ اپنا فیصلہ بدل سکتی ہیں تو ٹھیک ورنہ میں سوہا سے کورٹ میرج کر لوں گا، کیونکہ یہ تو طے ہے کہ شادی مجھے سوہا سے ہی کرنی ہے۔"

مسز سلمان پھٹی پھٹی نگاہوں سے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں، وہ بیٹا جو ماں کے منہ سے نکلی معمولی سی بات کو بھی حکم کا درجہ دیتا تھا، وہ آج ماں سے دو بدو تھا۔

"تم ایک لڑکی کی خاطر ماں کو چیلنج کر رہے ہو جبکہ مجھے اسے اپنانے پر اعتراض ہے بھی تو تمہاری خاطر کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا، ایک نامکمل لڑکی کے ساتھ پوری زندگی گزارے۔"

"نامکمل نامکمل کی مما کیا رٹ لگا رکھی ہے آپ نے، اگر میں ہر لحاظ سے مکمل ہوں تو اس میں کون سا میرا ہاتھ ہے اور اگر سوہا کو قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے بولنے کی صلاحیت سے محروم رکھا ہے تو اس میں کہاں اسکا کوئی قصور نکلتا ہے۔"

"قصور نکلتا ہو یا نہیں، مگر حقیقت مٹائی بھی تو نہیں جا سکتی۔" وہ بیٹے کی بات سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور نہ ہی وہ ان کی کوئی بات سمجھ رہا تھا اسی لئے دونوں کی بحث طول پکڑتی جا رہی تھی۔

"یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا مما کہ میں حقیقت نہیں مٹا سکتا، میں سوہا کو زبان دینے پر بھی قادر نہیں ہوں، مگر کچھ تو میرے بس میں بھی ہے، مکمل طور پر بے بس نہیں ہوں میں مما، آپ کو غم ہے نہ کہ آپ کے بیٹے نے جس لڑکی کا انتخاب کیا وہ نامکمل ہے اور آپ کا بیٹا ایکدم مکمل...... مگر مما، جو خوبی پیدائشی طور پر مجھے ملی ہے وہ حادثاتی طور پر مجھ سے جدا بھی تو ہو سکتی ہے، میں اپاہج ہو سکتا ہوں، اندھا ہو سکتا ہوں اور گونگا، گونگا بھی تو ہو سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ بہت عجیب ہو گیا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے معوان! مجھ میں کوئی کمی ہو گی تو سوہا کی کمی آپ کو کمی نہیں لگے گی، تو طے ہے فیصلہ ہو گیا میں اپنے ہی ہاتھوں اپنی زبا کاٹ ڈالتا ہوں۔"

"معوان!" وہ زندگی میں پہلی دفعہ بیٹے پر ہاتھ اٹھا چکی تھیں ورنہ تو انہوں نے بیٹے کو بڑ ہی ناز و نعم سے پالا تھا۔

"ماریے مما اور ماریے اتنا ماریے کہ میر ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں، اتنا ماریے مما کہ مجھ کوئی کمی واقع ہو جائے۔" وہ ماں کے پکڑے خود کو مارنے کی کوشش کر رہا تھا وہ میں تو بالکل نہیں لگ رہا تھا اس پر ایک جنون تھا۔

"ٹھیک ہے جس لڑکی کی خاطر تم اپنے تڑوا سکتے ہو، اپنی زبان کاٹ سکتے ہو تو اس خاطر ماں کو تو بڑی آسانی سے چھوڑ سکتے فیصلہ ہو گیا، معوان! تم جا کر سوہا سے کورٹ کر لو، مگر اس کے بعد تمہارا اور میرا ہر رشتہ ختم، گھر سے تمہارا ہر رشتہ ختم، میں سمجھوں گی بانجھ تھی، جس کی کوکھ میں ایک پھول بھی نہ سکا، جاؤ معوان، اپنی سوہا کے پاس چلے جا تمہیں میں جاتے جاتے بس ایک قسم دیتی کہ خدارا خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کیونکہ اگر ایسا تم نے کیا تو اپنی ماں کا مرا دیکھو گے۔" جیسے وہ ہر حد سے گزرنے کو ویسے ہی مسز سلمان بھی ہر حد سے گزر گئی تھیں بیٹے کو خواہش پوری کرنے کی اجازت ا پر دی تھی۔

"مما! ایسے نہ بولیں، مریں آپ کے میری زندگی بھی آپ کو لگ جانے میں شادی کرنا چاہتا ہوں پر آپ سے تعلق کرنا چاہتا آپ ماں ہیں میری پلیز میری سمجھنے کی کوشش کریں، میری محبت کی میری زندگی بھر کی محرومی تو نہ بنائیں۔" کو کھونا چاہتا تھا اور نہ ہی ماں کو، وہ بیچ منجدھار میں آ کھڑا ہوا تھا، جس سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"یہ میرا اٹل فیصلہ ہے معوان! تمہیں ماں چاہیے یا سوہا، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" ان کا لہجہ بے لچک تھا۔

"ماں! سوہا میری زندگی اور آپ میری جنت ہیں، زندگی ختم ہو جانے کے لئے اور جنت ہمیشہ کے لئے ہے، میں اپنی جنت کے لئے زندگی قربان کرتا ہوں۔" اس نے ایک نظر ماں کے چہرے پر ڈالی تھی اور آنکھیں بند کر کے سوہا کو محسوس کیا تھا، بند پلکوں پر چمک آنے والے آنسو صاف کرتا ماں کی محبت پر اپنے دل کی خوشی قربان کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"میں ہار گیا معیز! اپنی محبت اپنی سوہا ہار دی میں نے، کھو دیا میں نے سوہا کو۔" وہ معیز کے گلے سے لگا بہت تڑپ کر رو دیا تھا اور اس کی تڑپ پر معیز کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

"ریحان! سے کیا وعدہ بھی اس وفا نہیں ہو سکا، سوہا کو جو میں نے خواب دکھانے وہ بھی تعبیر نہ ہوں گے، سوہا کو میں نے جو اپنے نام کی سرخ ردا اوڑھانے کا ارمان سجایا تھا وہ ارمان ہی رہے گا، میں ہار گیا، میری محبت ہار گئی، ماں کو راضی نہ کر سکا، تو بتا معیز، میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا؟ ماں کی زندگی یا میری زندگی ایک کا انتخاب کرنا تھا مجھے بعد میں نے ماں کی زندگی کی اور اپنی محبت کی موت قبول کر لی، میں نا معیز، بتا تو چپ کیوں ہے؟ جواب دے ٹھیک کیا یا نہیں؟" وہ معیز کو جھنجھوڑ رہا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"کیوں نہیں، تو تو بول سکتا ہے نہ، مسئلہ سوہا نامکمل ہے تو سوہا میری نہ ہو سکے گی سوہا میں نے کھو دی سوہا، کیونکہ میں مکمل ہوں بہت مکمل، ماں کہتی ہے میں مکمل ہوں، مجھے ایک مکمل لڑکی ملنی چاہیے، ماں کیوں نہیں سمجھتی کہ میں اپنی ذات میں نامکمل رہ گیا ہوں، میری ہستی ادھوری رہ گئی ہے، اس ادھوری ذات کے ساتھ میں کسی کا کیا ہوں گا، ماں یہ نہیں جانتی کہ سوہا تو صرف بول نہیں سکتی اور میں تو دل سے ہی محروم ہوں، دل نہیں ہے میرے پاس، وہ تو سوہا کے بولتی آنکھوں میں رہ گیا، ماں کو کون سمجھائے گا بہرہ، اندھا، لنگڑا، گونگا ہر طرح کا معذور جی سکتا ہے مگر وہ کیسے جیے گا جس کے پاس اس کا دل ہی نہ ہو، میں نہیں جی سکتا، میں ادھورا رہ گیا ہوں، میرے جسم کا سب سے قیمتی حصہ "سوہا" کے پاس رہ گیا ہے میں کیسے جیوں، کیسے؟ بتاؤ مجھے معیز بنا دل کے کیسے جیوں؟"

معوان احمد کی گریہ زاری بڑھتی جا رہی تھی فون کے اس پار موجود سوہا صدیقی کو اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی، وہ کہنا چاہتی تھی کہ "معوان! اس طرح مت رو۔" مگر وہ بول نہیں سکتی تھی، زندگی بس پہلی دفعہ رب سے کھڑی شکوہ کر رہی تھی کہ کاش! اسے زبان کی نعمت بھی ہزاروں نعمتوں کے ساتھ ہی دے دی ہوتی۔"

معیز جس نے معوان کو ریحان کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچانے کے لئے اس کے سیل پر کال کر کے ریسیور سائیڈ پر ڈال دیا تھا تا کہ ریحان، معوان کی تڑپ محسوس کر کے اسے بزدل یا بے وفا نہ سمجھے، لیکن معیز کی کال ریحان کی بجائے سوہا نے ریسیو کر لی تھی کیونکہ ریحان واش روم میں تھا اور سوہا اس کے استری کیے کپڑے رکھنے آئی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ کچھ بول نہ سکے گی پھر بھی اس نے کال ریسیو کی تھی، کیونکہ رب کی یہی مرضی تھی کہ سوہا، معوان کو بے وفا نہ سمجھے، سوہا بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی، آنسو تھے کہ

رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور کانوں میں معوان احمد کی آواز گونج رہی تھی، ریحان اسے اپنے کمرے میں اس طرح دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا مگر وہ ریحان کو یہ نہیں بتا سکی تھی کہ اس کی معمولی سے محرومی عمر بھر کے لئے خوشیوں کی محرومی کا باعث بن گئی ہے، اس کے دل کی دنیا اجڑ گئی ہے وہ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی مگر ریحان کے لئے اس کا بولنا معنی کہاں رکھتا تھا وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ گیا تھا۔

"سوہا رو نہیں اللہ تعالیٰ جو کرتے ہیں اچھے کے لئے کرتے ہیں، معوان تمہارا نصیب نہیں ہے، یہ رب کی مرضی ہے اور تمہیں تمہارے نصیب کی خوشیاں ضرور ملیں گی، کیونکہ ہمارا رب کبھی گناہگار سے گناہگار بندے کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کرتا۔" ریحان اسے کاندھے سے لگائے سر پر ہاتھ رکھے اسے سمجھا رہا تھا، مگر وہ ذرا سا دلاسہ پا کر بری طرح بکھر گئی تھی، اس نے بچپن سے ہی لوگوں کی ترس بھری نگاہیں اور اپنے لئے رحم دیکھا تھا تو لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنی تھی۔ اور وہ سب معمولی نہ تھا تو بہت بڑا بھی نہ تھا اور اسے اس کے گھر والوں نے بھی کبھی اکیلا نہیں چھوڑا تھا مگر آج وہ ٹوٹ گئی تھی کیونکہ محبت کھو دینے کا غم، رحم بھری نگاہوں اور طنز و تضحیک کے جملوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا اور جس سے وہ نکل نہیں پا رہی تھی، اس نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی تھی، اسی دوران سوہا کا بہت اچھا پرپوزل آ گیا، لڑکا سول انجینئر تھا اور حادثاتی طور پر سننے کی صلاحیت سے محروم تھا، یہ رشتہ ہر لحاظ سے سوہا کے لئے مناسب تھا، گھر پر سوہا کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں، گیارہ ستمبر کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا، بظاہر سوہا مطمئن تھی، مگر حقیقت اس کے برعکس تھی، اس نے بہت عام اور سادہ زندگی گزاری تھی، اس کی دنیا، ماں، باپ اور ریحان سے شروع ہوئی تھی، جو معوان احمد پر آ کر ختم ہوتی تھی، باپ اور بھائی کے بعد اس کی دنیا میں آنے والا تیسرا مرد، معوان احمد تھا جس سے وہ محبت کر بیٹھی تھی اور صبح و شام دعا میں مانگنے لگی تھی مگر وہ اسے نہیں مل رہا تھا، وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی مگر وہ ایسا نہیں چاہتی تھی، وہ بول نہیں سکتی تھی ورنہ چیخ چیخ کر کہتی کہ اسے معوان احمد کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنا، معوان اگر اس کا نصیب نہیں تو وہ یونہی اس کی محبت میں زندگی گزار دے گی، مگر سارا مسئلہ ہی تو بولنے کا تھا وہ اس دولت سے محروم نہ ہوتی تو شاید معوان ا سے بھی محروم نہ ہونا پڑتا، اس کے ہاتھوں میں مہندی لگی تھی اور بیڈ پر بالکل سامنے سرخ جوڑ اور زیورات رکھے تھے، جنہیں ہاتھ مار کر اس نے پرے دھکیل دیا تھا۔

"مجھے نہیں کرنی شادی، میں صرف معوان کی ہوں، صرف اپنے معوان کی۔" چوڑیوں کا سیٹ اٹھا کر دیوار پر مارتے ہوئے سوچا تھا او گیٹ لاک کر کے دراز سے کاغذ قلم نکالا تھا۔

صرف میرے معوان

سب مجھے تم سے جدا کر دینا چاہتے ہیں، مگر میں کسی اور سے تو کیا تم سے نہیں کہہ سکی کہ میں سے بچھڑنا نہیں چاہتی، میری کمزوری سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، مجھے جس کا جو دل چاہا مگر مجھے تو زبان بندی کا حکم ملا تھا، میں اف تک نہ کر سکی، میری محبت مجھ سے دور ہوتی اور میرے لبوں کے قفل نہ ٹوٹے، مجھے کسی اور کا بنایا جا رہا ہے اور میں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہوں، نہیں میں مزید تماشہ نہیں بن سکتی، میں نے تم سے صرف تم سے محبت کی ہے معوان! میری زبردستی شادی نہ کروائی جاتی تو اور بات تھی، میں یہ امید بچا رکھتی کہ تم سے اس جہاں میں نہ سہی اس جہاں میں ملوں گی، مگر مجھے تم سے دور کیا جا رہا ہے، پر تو جینے کی ہر امید ہی دم توڑ گئی ہے اور میں سوہا صدیقی، سوہا معوان احمد، بننے کی آرزو لئے اس دنیا سے جا رہی ہوں، ہاں معوان! میں سرخ جوڑا تن پر نہیں سجا سکتی، میں سفید کفن سجانے کی اجازت ضرور دیتی ہوں، تم ہمیشہ خوش رہنا اور اپنی ماں کو بھی خوش رکھنا، ان کی بات مان کر شادی کر لینا، مجھے اب الوداع کہو معوان صرف تمہاری سوہا، جس کے نصیب میں سوہا معوان احمد بننا نہیں لکھا، سوہا نے خط پر ایک نظر ڈالی تھی اور اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس پر گلاس رکھ دیا تھا بکھرا ہوا سامان زمین سے اٹھا کر بیڈ پر رکھا تھا اور لہنگا اٹھاتی واش روم میں چلی گئی تھی تھوڑی دیر بعد اس نے ریحان کو بلا کر معوان احمد کو اس کی شادی میں بلانے کی استدعا کی تھی، معوان احمد، ریحان کی ایک پکار پر کھنچا چلا آیا تھا اور سوہا کے کمرے میں کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، سرخ عروسی جوڑے میں گلابی آنکھوں اور متورم چہرے کے ساتھ بالکل سادگی میں بھی وہ بہت حسین لگ رہی تھی، معوان احمد کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا اور وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی، خاموشی چار سو پھیلی ہوئی تھی سوہا نے ایک کاغذ معوان احمد کی طرف بڑھایا تھا جسے وہ حیرت سے اسے دیکھتے تھام گیا تھا مگر اسے پڑھ رہا تھا اسے اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی کاغذ اس کے ہاتھوں میں پھڑپھڑ رہا تھا اور وہ بڑی بے یقینی سے سوہا کو دیکھ رہا تھا اور بہت تڑپ کر اس تک آیا تھا۔

"کیا کیا ہے تم نے سوہا، پلیز مجھے بتاؤ، کیا کیا ہے تم نے۔" وہ اسے کاندھوں سے تھامے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"سوہا! پلیز مجھے بتاؤ تم نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے، تم نے خود کو کسی قسم کا نقصان۔" وہ اس کا ہاتھ ہٹاتی مڑی تھی اور دراز سے خالی شیشی اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

"یہ کیا کیا تم نے سوہا اور کیوں زندگی مجھ پر قربان کرنے چلی ہو، جو اپنی ماں کو تمہارے لئے راضی نہ کر سکا اور تم کہتی ہو میں خوش رہوں میری خوشی تم سے ہے سوہا اور تمہیں کچھ ہو گیا تو میں کس بنیاد پر خوش رہ پاؤں گا، تم نے کتنی گولیاں۔" وہ سر تھامے چکراتی سوہا تک آیا تھا۔

"تم نے اچھا نہیں کیا، میں اس کے لئے تمہیں اور خود کو بھی معاف نہیں کروں گا، تم ٹھہرو میں ریحان کو بلاتا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" وہ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے باہر کی جانب لپکا تھا۔

"میں صرف تمہاری ہوں معوان اور زندگی میرے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے، میں تمہارے لئے جینا چاہتی ہوں مگر میں نے تمہارے خاطر ہی جیون ہار دیا ہے۔" وہ معوان سے دل میں مخاطب ہوتی اٹھی تھی اور کھلے دروازے سے باہر آ گئی تھی جہاں سے نیچے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا، گھر میں خوشگوار سی ہلچل مچی ہوئی تھی ریحان کو لے کر معوان احمد وہیں آ رہا تھا مگر ان کے سیڑھیاں چڑھنے سے قبل ہی وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور سیڑھیاں ایسی پھلانگی تھیں کہ وہ لڑھکتی ہوئی نیچے آ رہی تھی۔

ریحان اور معوان ایک ساتھ چیختے آگے بڑھے تھے مگر سب بے سود تھا اتنی اونچائی سے گرنے اور بھاری مقدار میں سلیپنگ پلز کھانے کی وجہ سے وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی، معوان نے اس کی نبض چیک کی تھی مگر اب کوئی فائدہ نہ تھا سوہا صدیقی زندگی سے ناتا توڑ گئی تھی، شادی کے گھر میں کہرام مچ گیا تھا مگر اس سے بڑا کہرام معوان احمد کے دل و دماغ میں تھا اس نے خود سوہا کو سیڑھی پھلانگتے دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے نیند کی گولیاں کھائی ہیں اور اسی لئے سوہا کی موت کا سبب وہ صرف خود کو سمجھتا تھا، یہ بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ

سوہا نے خودکشی کی ہے مگر یہی بات معوان کو جیتے جی مار گئی تھی، دنیا سے اس نے ناتا توڑ لیا تھا، ماسٹرز ادھورا چھوڑ دیا تھا، صبح سے شام بے مقصد سڑکوں پر پھرتا رہتا تھا سلمان احمد اس سب سے پریشان اور مسز سلمان پشیمان تھیں۔

معیز اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا، مگر اس کی روٹین نہیں بدلی اور اسی طرح سال گزر گئے، مسز سلمان بیمار رہنے لگی تھیں، ڈاکٹرز نے بائی پاس کے لئے کہا تھا مگر وہ راضی نہیں ہوتی تھیں، بیٹے کی شادی کا ارمان بھی ارمان ہی تھا، سلمان احمد اور معیز کے بہت سمجھانے اور ماں کی حالت کے پیش نظر وہ شادی کے لئے راضی ہو گیا مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس کے والد سلمان احمد ڈی ایس پی تھے انہی دنوں ایک دہشت گرد کو اریسٹ کیا تھا اور اسے کسی بھی طرح چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور اس کا کیس اوپن کر دیا اور باقی ساتھیوں نے کیس اوپن کروانے سے بہتر ڈی ایس پی سلمان احمد کو راستے سے ہٹانے کا سوچ لیا، اس دن معوان احمد کی مایوں تھی مسز سلمان اور سلمان احمد کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی اور دونوں ہی موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے، شادی جو ٹلی تو وہ ہمیشہ کے لئے ہی ٹل گئی، معیز نے اس سے شادی کرنے کے لئے کہا تو اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا۔

”میں شادی اپنے لئے نہیں کر رہا تھا اور جن کے لئے کر رہا تھا جب وہ ہی نہیں رہے تو پھر شادی کیوں اور کس لئے کروں؟ میری پوری زندگی سوہا، کے نام ہے میں اس کی یادوں کے سنگ زندگی گزار دینا چاہتا ہوں اور اس لئے اس تم کبھی مجھ سے اس ٹاپک پر بات نہیں کرو گے۔“

اس دن کے بعد معیز نے دوبارہ اس سے شادی کے لئے نہیں کہا، معوان تنہا تو پہلے ہی تھا پیرنٹس کی ڈیتھ کے بعد اور اکیلا رہ گیا تھا۔

اس نے دادا کے بزنس کو سنبھال لیا تھا، ایک دن وہ کافی ہاؤس میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کے لب گنگنانے لگے تھے طالب علمی کے زمانے میں وہ یونیورسٹی کا بہترین سنگر مانا جاتا تھا نزدیک ہی ٹیبل پر ڈائریکٹر حسن بیٹھے تھے اور انہوں نے اسے اپنے نئے سیریل کا سونگ گانے کی آفر کر دی، اس نے اول تو منع ہی کر دیا بعد میں جب معیز کے سامنے ذکر کیا تو اس کے سمجھانے پر اس نے آفر قبول کر لی اور اس کے بعد معوان احمد کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا، مگر اس سب کے باوجود چھ سال گزر جانے کے بعد بھی سوہا صدیقی اول روز کی طرح دل کی سے اونچی مسند پر براجمان تھی، نہ وہ دل سے گئی اور نہ ہی یادوں کی جھلملاہٹ کم ہوئی تھی، کیونکہ وہ ایسا چاہتا ہی کب تھا، اس کے آفس میں کتنی ورکرز تھیں اور میوزک کی فیلڈ میں قدم رکھنے کے بعد تو آئے دن لڑکیاں اس کے گرد پروانے کی مانند منڈلاتی رہتیں تھیں مگر آج جو لڑکی اسے نظر آئی تھی اس میں سوہا کی جھلک تو نہ تھی، مگر اس کی آنکھیں سوہا کی آنکھوں کی مانند کلام کر رہی تھیں اور ہتھیلی پر جگمگاتا تل تو ہو بہو تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اسے نظر انداز نہ کر سکا اور اسے آٹو گراف دے دیا۔

سوہا کے بعد یہ دوسری لڑکی تھی جس کے ہاتھ پر اس نے روشنائی سے اپنا نام لکھا تھا اور اس لڑکی کے ہاتھ پر نام سوہا کی محبت میں لکھا تھا۔

ملتے رہتے ہیں بہت لوگ تمہارے جیسے
پر سمجھ نہیں آتا کہ تم ہی میں کیا ہے؟

ندگی کے ہاتھوں پر لکھا نام تو کب کا دھل گیا تھا اور وہ یہ جانے بغیر کہ یہ نام اس کے ہاتھوں کی لکیروں میں موجود ہے یا نہیں؟

اسے دل کے کورے کاغذ پر لکھ بیٹھی تھی، معوان احمد کا کوئی سونگ، کوئی شو وہ بالکل مس کرتی تھی، نہ صرف ٹی وی پر بلکہ وہ اس کے شوز میں جہاں اس کی شرکت ممکن ہوتی وہ ضرور شریک ہوتی تھی، معوان احمد کی جانب وہ کتنی ہی دفعہ اپنا ہاتھ بھی پھیلا چکی تھی جسے وہ ہر دوسرے ہاتھ اور ڈائری کی طرح نظر انداز کرتا آگے بڑھ جاتا اور یہ بات ندگی کو کتنی تکلیف دیتی ہے اس کا اسے ادراک نہیں تھا، معوان کو اپنے ہر شو میں دو آنکھیں خود پر جمی محسوس ہوتیں، اس نے شوز کرنا ہی بند کر دیئے، گزرے تین ماہ میں اس نے بے شمار آفرز میں سے کوئی ایک آفر قبول نہ کی، وہ آج کل فلم ٹائم آفس اور اپنے بزنس کو دے رہا تھا، اس نے بہت دنوں سے خود کو بہت مصروف رکھا، سوہا کی یاد ہر پل آتی اور وہ ہر لمحہ خود کو مصروف ترین کرتا گیا، رات گئے جب بستر پر لیٹتا، سوہا اس کی اداس آنکھوں میں اتر آتی اور وہ نیند کی ٹیبلٹ کھاتا لمحوں میں بے سدھ ہو جاتا، مگر آج تین گولیاں ایک ساتھ کھانے کے بعد بھی نیند کی دیوی اس پر مہربان ہونے کو تیار نہ ہوئی تو وہ سلیپر پاؤں میں ڈالتا، لان میں آ گیا تھا اور اِدھر سے اُدھر بے قراری سے چکرانے لگا تھا۔

”کیوں کیا؟“

”تم نے سوہا! مجھے جیتے جی مار دیا، تم کو بھلا دینا تو اول میرے بس میں نہیں اور بھولوں بھی تو کیسے؟ تم نے مجھے کیسی اذیت بھری زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے، میں یہ کبھی نہیں بھول پاتا کہ تم نے خودکشی صرف میری وجہ سے کی، نہ میں تمہاری راہ میں محبت بن کر آتا اور نہ ہی تم انتہائی قدم اٹھاتیں، سب کا ذمہ دار صرف میں ہوں صرف میں، تم کیوں چلی گئیں سوہا، میری نہ سہی کسی اور کی بن کر تو جیتیں مگر تم نے خود سے جینے کا حق ہی چھین لیا اور مجھے جیتے جی مار دیا، تم میری قاتل، سوہا صدیقی، میری قاتل، میری خوشیوں کی قاتل، میرے جذبوں، میری محبت کی قاتل، میرے جذبوں میری محبت کی قاتل، میرے احساسات، میرے رشتوں کی قاتل، میں کیا تھا تم سے ملنے سے پہلے ایک جیتا جاگتا، محبت کرنے اور محسوس کرنے والا پرخلوص انسان مگر تم نے مجھے کیا بنا دیا ہے سوہا اب جذبے مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے، ہنسی میرے لبوں کو چھونے نہیں آتی صرف تمہاری یادیں ہیں اور میں ادھورا سا معوان احمد تم تو پل بھر میں زندگی سے ناتا توڑ گئیں اور میں، مرنے کی آرزو میں جیے جا رہا ہوں بس جیے جا رہا ہوں، موت کا تعلق ہے کہ مجھ سے جڑنے سے گریزاں ہے منتظر ہوں کہ موت آئے اور میں تم سے ملوں مگر میرے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے نہ تمہیں اپنانا نہ تمہیں خودکشی سے روکنا نہ تمہاری یادوں سے نکلنا نہ تمہارے بنا ہنسنا میں بے اختیار شخص آج بھی صرف تمہارا ہوں سوہا۔“

وہ سوچتے سوچتے گٹار اٹھائے ٹیرس پر آ گیا تھا، جہاں سے آسمان پر چمکتا چاند اسے صاف نظر آ رہا تھا اور وہ چاند نہ جانے کب سوہا کا روپ دھار گیا تھا اور وہ ٹک ٹکی باندھے سوہا کو دل میں مخاطب کیے چاند میں ابھر آنے والے اس کے عکس کو دیکھے جا رہا تھا۔

ندگی جس کو نیند نہیں آ رہی تھی اور وہ ٹیرس پر چلی آئی تھی سامنے ٹیرس پر اسے اندھیرے میں سایہ سا محسوس ہوا تھا اور وہ جلدی سے دوربین اٹھا لائی تھی اور اب سامنے کا منظر واضح ہو گیا تھا، معوان احمد چاند کو دیکھ رہا تھا، تبھی ایروپلین کی آواز پر اور اس کی آواز پر معوان احمد کی محویت ٹوٹ گئی تھی اور جب واپس اس چاند پر نگاہ کی تھی جھلمل کرتا روشن چاند تو تھا مگر سوہا کا عکس نہ تھا اور وہ بے بسی سے چند لمحے اسے دیکھتا ٹیرس پر رکھی کین کی سفید کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور گٹار اٹھا لیا تھا، رات کی تاریکی میں گٹار کی آواز عجیب سا سوز، سحر طاری کر رہی تھی جس میں ندگی حسن بری

طرح جکڑ گئی تھی اور وہ وقت کی نزاکت کو بھلائے یعنی رات کے ساڑھے تین بجے دیوانوں کی طرح گٹار کے سرانگلیوں کی مدد سے بکھیر رہا تھا اور یہی نہیں بلکہ دل کا شکوہ بھی زبان پر شاعری کی صورت بکھرنے لگا تھا۔

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں
ڈھونڈ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں
تم دنیا بھی غم یار میں شامل کر لو
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں سے ملیں
اب نہ وہ میں ہوں نہ وہ تو ہے نہ وہ ماضی ہے فراز
جیسے دو شخص تمنا کے سرابوں میں ملیں
اب کے ہم بچھڑے تو شاید ....

''اب ہم کبھی نہیں ملیں گے، کبھی نہیں، صرف تمہاری وجہ سے سوہا، تم نے موت کو گلے لگا کر ہمارے ملنے کی ہر امید کو ختم کر دیا، کیوں سوہا، کیوں تم چلی گئیں، مجھ پر اعتبار نہ تھا، قسمت پر یقین نہ تھا، اللہ پر تو بھروسہ کرتیں، تمہاری جلد بازی نے نہ صرف تمہارا بلکہ میرا بھی شدید نقصان کیا ہے، سنا تم نے سوہا اور میں تمہیں اس کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا، زندگی تمہاری تھی، مانتا ہوں، مگر تمہارے اپنے بھی تو کچھ حق رکھتے تھے، نہ تمہاری زندگی پر، تم نے ایک جھٹکے میں سب ان کے حق سے محروم کر دیا، تم تو چلی گئیں سوہا، مگر آج تمہارے جانے کا غم تمہاری ماما کے لب سی گیا ہے، تمہاری ماما، نہ آج زندوں میں ہیں نہ مردوں میں وہ فالج کے اٹیک کے زیر اثر بستر پر پڑی ہیں اور سوہا تمہارے بابا، وہ دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے تمہاری موت کے تیسرے دن ہی دنیا چھوڑ گئے اور رہ گیا تم پر جانثار کرنے والا تمہارا بھائی ریحان، وہ بہن کو روئے، باپ کو یا پھر بیمار ماں کو، تم نے سب کو کتنا بے بس کر دیا ہے، سوہا کاش! کہ تم ایک دفعہ وہ قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لیتیں، مگر تم اتنی زحمت ہی نہ کی سوہا، ایک بار آ جاؤ صرف ایک بار کہ تمہاری چاہت دل میں رکھتا ہوں، تم میرے دل سے نہیں جا تیں سوہا، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں خود سے زیادہ۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا اور اس کے بکھرے وجود کے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ گٹار ٹوٹا پڑا تھا جو تھوڑی دیر قبل وہ بجا رہا تھا، مذکیٰ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے لئے کیا کرے، کیونکہ وہ بہت بے بس تھی، اس نے کمرے میں آ کر معوان احمد کا نمبر ڈائل کیا تھا، کافی دیر بعد بھاری بوجھل آواز گونجی تھی اور جو بنا سوچے سمجھے نمبر ڈائل کر چکی تھی، بے بسی سے لب کچل رہی تھی، کہنے کی چاہ میں وہ ایک لفظ نہ کہہ سکی تھی، کیونکہ وہ اس سے محروم تھی، معوان احمد نے دو سے تین ہیلو کہنے کے بعد سیل فون دیوار پر دے مارا تھا، اتنے میں موذن کی آواز کانوں میں پڑنے لگی تھی، وہ دونوں ہی کچھ سوچتے وضو کرنے چل دیئے تھے یہ اور بات تھی کہ معوان نے سوہا کی مغفرت و سکون کے لئے دعا مانگی تھی اور مذکیٰ نے معوان کی خوشیوں کی خدا سے التجاء کی تھی۔

مذکیٰ کا آج صبح ہی دل بہت گھبرا رہا تھا، اسے ہر لمحہ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت برا ہونے والا ہے اس نے ناشتہ بھی نہ کرنے کے برابر کیا اور ایک اہم ٹیسٹ ہونے کے باوجود یونیورسٹی نہ گئی، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی، مسز حسین اس کو پریشان دیکھ کر کتنی دفعہ استفسار کر چکی تھیں اور وہ انہیں ٹال گئی تھی اور ماں کے سوالوں سے بچنے کے لئے کمرے میں آ گئی تھی، کھڑکی میں سے سامنے گھر پر نظر گئی تھی اور اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور وہ بڑی تیزی سے سیڑھیاں اترتی بھاگنے کے سے

انداز میں احمد ہاؤس پہنچی تھی، گارڈ نے اس کا راستہ روک لیا تھا اور وہ ملتجی نگاہوں سے اندر جانے کی اجازت طلب کرنے لگی تھی، خان بابا نے اکثر اسے آتے جاتے دیکھا تھا، اس کا ملتجیانہ انداز انہیں ہچکچاہٹ میں مبتلا کر گیا تھا۔

''آپ رکو بی بی صاحب، ام صاحب جی سے پوچھ کر آتا ہوں۔'' خان بابا بولے تھے اور گیٹ کھول کر اندر کی جانب بڑھنے ہی لگے تھے کہ مذکیٰ ان کے پیچھے سے نکلتی ان سے بھی پہلے اندر کی جانب دوڑی تھی جبکہ وہ اسے روکتے ہی رہ گئے تھے۔

''مجھے کیا ہونا ہے، میں تو بالکل ٹھیک ہوں، زندہ ہوں، تو اپنی سنا اتنے دن کہاں رہا بھابھی اور بچے کیسے ہیں؟'' وہ معیز سے بات کر رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہیں، بچے تجھے بہت یاد کرتے ہیں کسی دن گھر کا چکر لگا۔''

''ہاں آؤں گا کسی دن ذرا فرصت ملے۔''

''اور کیسی فراغت چاہتا ہے تو، کیوں خود کو سزا دے رہا ہے معوان کیا تو سب کچھ بھول نہیں سکتا؟'' معوان کے بعد کوئی جانتا تھا کہ سوہا نے خودکشی کی ہے تو وہ معیز تھا۔

''میں کچھ نہیں بھول سکتا، سوہا نے صرف میری وجہ............'' وہ آگے بھی کچھ کہتا کہ شور کی آواز پر بات ادھوری چھوڑ کر آوازوں کی سمت دیکھنے لگا تھا، جہاں وہی لڑکی تھی جس سے بچنے کے لئے اس نے کنسرٹ کرنا چھوڑ دیئے تھے اور اس کے پیچھے خان بابا تھے۔

''خان بابا! یہ لڑکی میرے گھر میں آئی تو کیسے؟ آپ نے اسے روکا کیوں نہیں، ابھی اور اسی وقت اسے یہاں سے لے کر جائیں۔'' وہ بہت بری طرح چیخ رہا تھا۔

''صاحب جی! ام بی بی کو بہت روکا مگر یہ اندر آ گئی، پر آپ غصہ نہ ہوں میں بی بی کو ابھی باہر چھوڑ آتا ہوں۔''

''فوراً لے کر جائیں اور آئندہ میرے گھر کے آس پاس کوئی لڑکی دکھائی بھی دی تو، میں آپ کو کام سے فارغ کر دوں گا۔'' اس نے غصہ میں خان بابا کی بات کاٹ کر انہیں وارننگ دی تھی۔

''چلیں بی بی یہاں سے چلیں کیوں آپ اماری نوکری کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر خان بابا نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔

''صاحب! ام مجبور ہے یہ عورت زاد ہے ام اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا، یہ جانے کو ہی راضی نہیں تو ام کیا کرے؟'' وہ واپس پلٹا ہی تھا کہ خان بابا لاچاری سے بولے تھے کیونکہ وہ وہاں سے جانے کو بالکل تیار نہ تھی اور رہا ہو جانے کی بجائے وہ معوان احمد کے پیچھے لپکی تھی۔

''دیکھو تم مجھے پہلے ہی بہت پریشان کر چکی ہو اور میری خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو، صرف تمہاری وجہ سے میں کنسرٹ کرنا چھوڑ دیئے تو اب اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میرے گھر میں گھس آئی ہو تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی سے یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھے پولیس کو بلانا پڑے گا۔'' وہ اسے گھورتا ہوا ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا تھا۔

''صاحب جی! یہ سامنے والے بنگلہ میں رہتی ہے، ام ان کے گھر سے کسی کو بلا لاتے...... یہ بے چاری تو بول بھی نہیں سکتی، ورنہ یہاں آنے کا مقصد ضرور بتا دیتی۔'' خان بابا کے انکشاف پر وہ بری طرح چونکا تھا اور بغور اسے دیکھنے لگا تھا، فرسٹ ٹائم اسے مذکیٰ کی آنکھوں نے یہی چونکایا تھا کیونکہ اسے وہ سوہا صدیقی کی آنکھوں کی مانند اس سے کلام کرتی محسوس ہوئی تھیں اور یہ انکشاف کہ وہ بھی سوہا کی طرح بول نہیں سکتی، اس

کو اندر تک ہلا کر رکھ گیا تھا۔

"خان بابا! اس لڑکی کو بٹھائیں، جب تک یہ خود نہ جانا چاہیں اور انہیں آئندہ بھی یہاں آنے سے مت روکیے گا۔" وہ کہہ کر جلدی سے مڑا تھا کہ مبادا اس کی نم پلکوں کو کوئی دیکھ نہ لے، وہ جب بھی کسی بولنے کی صلاحیت سے محروم شخص خاص کوئی لڑکی دیکھتا اس کا دل اندر سے کرچی کرچی ہو جایا کرتا تھا، جبکہ خان بابا ششدر سے کھڑے تھے، لڑکی بھی حیران حیران سی آگے بڑھی تھی، جبھی ٹیبل پر اسے کاغذ قلم نظر آیا تھا اور جسے اس نے فوراً اٹھا لیا تھا اور کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد اس نے معوان احمد کی جانب بڑھایا تھا اور وہ کافی حیرانگی سے اس پر لکھی عبارت پڑھ رہا تھا۔

"میں بول نہیں سکتی اور آپ کی آواز سے مجھے عشق ہے، آپ مجھے بھلے سے نہ اپنائیں، کیونکہ میں آپ کے قابل نہیں ہوں مگر آپ مجھے اس طرح نظر انداز بھی نہ کریں، کیونکہ میں نے گیارہ سال کی عمر سے اپنے لئے صرف لوگوں کو بے رحم ہی دیکھا ہے زندگی کے ہر قدم پر مجھے لوگوں نے ٹھکرایا، ہر لمحہ مجھے میری کمی کا احساس دلایا اور وہ سب میں سہہ گئی، مگر آپ کی بے اعتنائی نہ سہہ سکوں گی، آپ کی نگاہ میں رحم و نفرت دیکھ کر تو میں جیتے جی مر جاؤں گی، مجھے اپنا ساتھ نہیں دے سکتے تو میں آپ کو آپ سے نہیں مانگوں گی، مگر آپ نے بھی اگر لوگوں کی طرح مجھ پر ترس کھا کر اپنی توجہ کے خالی خولے پھول ڈالے تو میں برداشت نہیں کر پاؤں گی اور میں مرنا نہیں چاہتی کیونکہ آپ سے ملنے سے قبل جو زندگی مجھے بری لگتی تھی اب وہی زندگی اچھی لگنے لگی ہے اور آپ ہیں کہ میری موت کا سامان کرنے چلے ہیں۔" لفظ لفظ میں سمٹا درد معوان احمد کے دل کی دنیا ہلا گیا تھا اور آج اسے محسوس ہوا تھا کہ۔

سوہا نے خودکشی صرف اسی لئے کی تھی کہ دل کی بات زبان پر نہیں لا سکی تھی اور وہ جو ایک محرومی کی سے کتنی ہی چیزوں اور بے لوث چاہتوں سے محروم ہوئی تھی وہ اپنی محبت کھونا نہیں چاہتی تھی اور پانے کے لئے اس کے پاس زبان نہ تھی، کیونکہ جو حق آرام سے نہ ملے اسے چھین لینا چاہیے، وہ یہ جانتی تھی مگر ایسا کر نہیں سکتی اس لئے وہ اپنے اندر کی محرومیوں سے اتنا گھبرا گئی تھی کہ ایک اور محرومی برداشت کرنے کے ڈر سے ہی انتہائی قدم اٹھا چکی تھی اور اس نے اسی وقت فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو صدیقی نہیں بننے دے گا۔

"معوان! تو صرف اس لئے کہ وہ سوہا کی طرح بول......"

"صرف یہی وجہ ہے کیونکہ میں اسے سوہا بننے دینا نہیں چاہتا میں نے اس لڑکی کی آنکھوں میں اپنے لئے چاہت دیکھی ہے اور میں اس کو کچھ نہیں دے سکتا تھا صرف اس لئے میں نے شوز کرنا چھوڑ دیئے اور یہ ایک حقیقت ہے معیز کہ میں اس لڑکی کو کچھ نہیں دے سکتا، کیونکہ میں تو خود کو اپنے جیون کو اپنی ایک ایک سانس کو سوہا کے نام لکھ چکا ہوں، میں نے سوہا کو سب کچھ دیا جو میں اسے دے سکتا تھا، میں نے پوری زندگی سوہا کے نام لکھ دی مگر سوہا کو زندگی نہ دے سکا، اس کی آواز نہ بن سکا، مگر اب میں اس لڑکی کو نئی زندگی دوں گا، اس کی آواز بنوں گا، شاید اس طرح سوہا کی محبت کا قرض ... سکوں، وہ وعدہ جو میں نے سوہا سے کیا وہ اب پورا کروں گا شاید اس طرح میری سوہا کی روح کو تسکین مل جائے۔" وہ معیز کو دیکھ کر نم پلکوں سے مسکرایا تھا اور اگلے ہی دن اس نے معیز اور اس کی وائف کو اسی لڑکی کا رشتہ لے کر بھیج دیا تھا جس کے نام سے بھی وہ واقف نہ تھا۔

"سر! کوئی حسن صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" سیکرٹری نے اسے فون پر بتایا تھا اور اس نے انہیں اندر بھیجنے کو کہا تھا، جبکہ اس کی بہت اہم میٹنگ چل رہی تھی جسے اس نے فوراً ہی کینسل کر دیا تھا۔

"پلیز بیٹھئے!" وہ نہایت شائستگی سے بولا تھا اور حسن صاحب سر ہلا کر بیٹھ گئے تھے انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے شروع کریں، ایک ہر طرح سے مکمل انسان ان کی ادھوری بیٹی سے شادی کا خواہش مند تھا وہ جتنا حیران ہوتے کم تھا۔

اگلے ہی دن وہ معیز کو مذکی کے گھر پر پوزل لے کر جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔

"آپ چائے لیں گے یا پھر کافی۔"

"کافی۔" خود کو کمپوز کرتے ہوئے بغیر کسی بحث کے کہا تھا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں سر! کہ آپ کے گھر میں نے اپنے دوست کو بھیجا مگر میں کیا کرتا ایک وہی واحد اس دنیا میں میرا اپنا ہے والدین حیات نہیں اور بہن بھائی جیسے رشتوں کی خوشی نصیب ہی نہ ہوئی تھی، میرا سب کچھ ایک معیز ہی ہے، اسی لئے رشتہ لے کر میں اسی کو بھیج دیا، آپ کو برا لگا ہو تو......" وہ ان کے آنے کا مقصد سمجھ کر خود ہی شروع ہو چکا تھا کہ یکدم انہوں نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"مجھے رشتہ بھیجنے پر اعتراض تو کوئی نہیں ہے کیونکہ جن والدین کی بیٹیاں ہوتی ہیں انہیں ان مراحل سے گزارنا پڑتا ہے، مجھے تو آپ کے رشتہ پر از حد حیرانگی کا سامنا ہے۔"

"حیرانگی، اس میں حیرت والی تو کوئی بات ہے مجھے تو آپ کی حیرت پر حیرت ہو رہی آپ کو میرے پر پوزل بھیجنے پر اس قدر حیرت تھی کہ آپ کو اسے دور کرنے کی غرض سے مجھ تک چل کر آنا پڑا۔" وہ نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے واقعی آپ تک میری حیرت لائی ہے، کیونکہ زیادہ نہیں، دو چار بار ہم بہ حیثیت پڑوسی کے ملے ہیں اور ٹی وی پر تو بار بار میں نے آپ کو دیکھا ہے اور جس شخص کے پیچھے ہزاروں خوب سے خوب تر لڑکیاں دیدہ دل سے فرش راہ کیے بیٹھی ہیں، جس کو بہت اچھی لڑکی با آسانی مل سکتی ہے وہ بھی بنا کسی تردد کے وہ اگر میری ایسی بیٹی کا رشتہ طلب کرے جس کی ظاہری شخصیت نامکمل ہے تو میری حیرت ایسی بے جا بھی نہیں ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولے تھے جبکہ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی بیٹی پر نامکمل ہے کہ آپ کو انکار کرنا ہے تو بے شک کریں مگر اس بات کو وجہ انکار نہ بنائیں، اٹس مائی ریکویسٹ۔"

"ابھی تو میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ نے شادی کے لئے میری بیٹی مذکی کو ہی کیوں منتخب کیا جبکہ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی آپ کا نصیب بن سکتی ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اسی لئے تو میں ایک اچھی لڑکی کو اپنا جیون ساتھی بنانے جا رہا ہوں۔"

"پلیز مسٹر معوان صاف بات کریں، یہ فلسفیانہ باتیں مجھے مزید الجھانے کا سبب بھی رہی ہیں کیونکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مذکی کو زیادہ نہیں جانتے، کیونکہ آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کا نام تک آپ کو ابھی میرے منہ سے پتہ چلا ہے۔" وہ جانچتی نگاہوں سے سنجیدہ بیٹھے معوان احمد کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے جو کیا وہ سب بالکل درست

ہے، اس کے باوجود میں کہوں گا کہ میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

''وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں، کیوں؟ ندگی سے ہی کیوں آپ شادی کرنا چاہتے ہیں وہ بھی یہ جاننے کے باوجود کہ وہ بول نہیں سکتی۔''

''مسٹر حسن! میں آپ کی بیٹی سے شادی ہی اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بول نہیں سکتی۔'' آخر کے تین لفظ اس نے بڑی دقت سے بولے تھے جبکہ وہ اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اس کی دماغی حالت پر ایکدم ہی شبہ ہو چلا ہو۔

''مسٹر حسن! جھوٹ سے مجھے شدید نفرت ہے، اس لئے میں جھوٹ کا سہارا ہرگز نہیں لوں گا اور پوری سچائی سے آپ کو اپنے ماضی اور حال سے آشنائی دوں گا، تاکہ آپ اپنی بیٹی کا ہاتھ پورے یقین واعتماد سے میرے ہاتھ میں دیں، بالغرض کہ میں اس لائق ہوا۔'' وہ کرسی کھسکا کر اٹھا تھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا، کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھانے کے بعد ایک بار پھر اس کی آواز گونجی تھی۔

''میں نے اس دنیا میں خود سے بھی بڑھ کر اگر کسی کو چاہا ہے تو وہ سوہا! جواب اس دنیا میں نہیں ہے (مگر اس کے جانے کے بعد بھی مجھے کبھی نہیں لگا کہ وہ نہیں ہے)۔'' آخری جملہ اس نے دل ہی میں کہا تھا۔

''سوہا! بول نہیں سکتی تھی، مسٹر حسن اور یہی وجہ ہے کہ میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں آپ کی بیٹی کی آنکھوں میں، میں نے اپنا عکس دیکھا اور میں سوہا کو کھو چکا ہوں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ندگی بھی سوہا کے راستہ پر چل پڑے، بس یہ سمجھ لیں کہ آپ کی بیٹی کو میں محبت کا قرض اتارنے کے لئے اپنانا چاہتا ہوں، مگر یہ مت سمجھئے گا کہ میں ایسے میں ندگی کو اہمیت نہیں دوں گا، میری تو اب زندگی کا مقصد ہی ندگی خوش رکھنا ہو گا کیونکہ میں سوہا ہار چکا ہوں اور میں نہیں چاہوں گا کہ میں ایک بار پھر تہی داماں جاؤں، یہ سمجھ لیں کہ میں ندگی کی شکل میں سوہا پانے جا رہا ہوں۔'' وہ اب خاموش ہو گیا تھا مسٹر حسن اسے کچھ دیر خاموشی سے دیکھتے اس تک آئے تھے۔

''تمہاری سچائی نے میرا دل جیت لیا ہے مگر میں ایک بیٹی کا باپ ہوں اپنی سی تسلی کر لوں پھر تمہیں جواب دوں گا۔'' وہ اس کے کاندھے کو مشفقانہ تھپکی دیتے اس کے آفس سے نکل گئے تھے۔

''سوہا تمہیں پانے کے لئے بھی میں نے بہت کوششیں کی تھیں، تمہاری جیسی کو بھی پانے کی کوشش شروع کر دی ہے ایک دفعہ ناکام ہوا، اب کیا ہو گا نہیں جانتا مگر مجھے اتنا یقین ہے کہ آج تم بہت خوش ہو گی اور تمہاری خوشی کے لئے تو میں ہنستے ہنستے فنا ہو جاؤں، معمولی سے وجود کی قربانی تو کچھ معنی ہی نہیں رکھتی۔'' وہ اس شادی کے لئے نہ دل سے خوش تھا نہ دماغی طور پر راضی مگر وہ اب پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

ندگی کو جب سے پتہ چلا تھا کہ معوان احمد نے اس کے لئے اپنا پروپوزل بھیجا ہے وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی، اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ محرومیاں جو اس نے گیارہ سال کی عمر سے برداشت کیں اب ان کا اختتام ہوا جاتا ہے، ندگی پیدائشی طور پر گونگی نہیں تھی، وہ گیارہ برس کی میں ایک حادثہ میں اپنی آواز کھو بیٹھی تھی اور ڈاکٹرز کے مطابق اس کی آواز کبھی نہ کبھی واپس بھی آ سکتی ہے اور ممکن ہے کہ ساری زندگی ہی وہ بول نہ سکے، حسن صاحب نے اس کا ہر طرح سے علاج کروایا مگر پیسہ پانی کی طرح بہانے کے باوجود وہ ناکام رہے تھے یہ مرض لاعلاج نہیں تھا بس اللہ کے گھر میں ہی دیر تھی اور جب اللہ چاہتا وہ پھر سے بول سکتی تھی، حسن صاحب نے اپنی سی تسلی کرنے کے بعد ہاں کر دی تھی اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں تھیں، معوان کی طرف سے تمام تیاریاں معیز اور اس کی بیوی کر رہے تھے، ٹھیک ایک ماہ بعد کی تاریخ مقرر ہوئی تھی، میڈیا پر تو ہلچل سی مچ گئی تھی، جہاں ہزاروں لڑکیوں کے دل معوان احمد کی شادی کا سن کر ہی ٹوٹ گئے تھے یہ بات ہر کسی کے لئے کسی شاک سے کم نہ تھی کہ معوان احمد ایک گونگی لڑکی سے شادی کر رہا ہے۔

ٹیلی فون کالز کا سلسلہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا اور صحافی تھے کہ ہر وقت اس کا انٹرویو کرنے کو تیار، مگر وہ پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے ہر کسی کو نظر انداز کر رہا تھا اور پھر شادی کا دن بھی آن پہنچا تھا اور معوان احمد کی طرف سے صرف معیز اور اسد کی فیملی کے ساتھ ریحان نے شرکت کی تھی، معوان احمد کی طرف سے نیوز چینلز اور اخباری رپورٹر تھا، مگر حسن صاحب کے ہاں شریک مہمانوں میں سے کسی کے ذریعے اس کی شادی تصویر نیوز چینلز پر آ ہی گئی تھی اور نیوز چینلز کا سارا زور اس بات پر تھا کہ معوان احمد کی وائف بولنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

بارہ بجے سے قبل ہی رخصتی ہو گئی تھی، معیز کی بیوی انعم، ندگی کو معوان کے روم میں چھوڑ گئی تھی، معوان دوست کو سی آف کرنے کے بعد اپنے روم میں چلا آیا تھا، کو سختی کے ساتھ کورتج کے لئے منع کر دیا تھا، ندگی بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس نے منہ دکھائی کے طور پر اسے ڈائمنڈ رنگ پہنائی تھی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے جگنو دیکھ کر وہ ...ن ہو گیا تھا۔

''سوہا، میں نے ندگی کو سوہا بننے سے بچالیا ہے، ندگی کو میں نے صرف تمہارے خاطر اپنایا ہے یہ مت سمجھنا کہ میں نے تم سے بے وفائی کی ہے کیونکہ میں تم سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، تم میرے دل کی سب سے اونچی مسند پر پہلی ملاقات سے براجمان ہو اور میری آخری سانس تک تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا، ندگی میری ذمہ داری ہے میری بیوی ہے، مگر میری محبت صرف تم ہو، کیونکہ میں ندگی کو وہ سب دوں گا جو اس کا حق ہے مگر وہ کبھی نہ دوں گا جو تمہارا حق میں تسلیم کر چکا ہوں، شادی تو انسان ایک سے زائد مرتبہ کر سکتا ہے، لیکن محبت تو صرف ایک بار ہوتی ہے جو مجھے تم سے ہے، میں ندگی کو رشتوں کی محبت سے محروم نہیں کروں گا۔'' اس نے سوہا کو دل ہی دل میں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا اور ماضی کو دل کے ایوانوں میں دفن کرتا، آنکھوں کی نمی پوروں پر سمیٹتا، مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا جو کافی دیر سے اس کی منتظر تھی اور حیرانگی سے اس کے کھوئے کھوئے انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔

''ندگی! آج ہم نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہے ہیں اور ہر قدم پر آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گی خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا اور نہ ہی کسی محرومی کو سر پر سوار ہونے دیجئے گا، کیونکہ میں نے آپ کو آپ کی ہر محرومی کے ساتھ قبول کیا ہے، کیونکہ میں چاہتا تھا کہ آپ میری زندگی کی ہر محرومی کو اپنے پیار سے دور کریں۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے پیار سے کہہ رہا تھا اور اس نے نم پلکوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا گویا وہ اس سب کے لئے تیار تھی جو معوان احمد چاہتا تھا ویسے بھی وہ یہ تو بھول ہی بیٹھی تھی کہ وہ ظاہری طور پر نامکمل ہے، بس اب تو وہ معوان احمد کے ادھورے پن کو بانٹ لینا چاہتی تھی۔

معوان احمد، مذکیٰ کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، اس کی چھوٹی چھوٹی سی خوشیوں کا بھی بہت خیال رکھتا تھا، وہ مذکیٰ سے اب اشاروں میں اس کے دل کی باتیں کر لیتا تھا اور اس کی آنکھوں میں درج تحریر پڑھ کر جان لیتا تھا کہ وہ خوش ہے اداس ہے، میکے جانا چاہتی ہے یا شاپنگ پر، وہ ہر طرح سے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اسے اپنی محرومی کا احساس نہ ہو، معوان احمد کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس کی موجودگی میں سوہا کو نہ سوچے، ورنہ اس سے قبل تو ناشتہ کی ٹیبل سے رات بستر پر لیٹنے تک سوہا کا خیال اس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اب اس نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا، سوہا کے خیالوں کو اس نے آفس تک محدود کر لیا تھا گھر میں چلتے پھرتے سوہا کی یاد چٹکی لیتی تو وہ اپنے دل کو اپنے ہی قدموں پر روندتا سر جھٹک کر مصروفیت، ڈھونڈ لیتا مذکیٰ سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتا، تو کبھی سیر و تفریح کر لیتا اور اس سب میں وہ جس تکلیف سے گزر رہا تھا صرف وہی جانتا تھا۔

وصل کا سکون کیا ہے ہجر کا جنون کیا ہے
حسن کا فسوں کیا ہے عشق کا دروں کیا ہے
اشک کیا ہے نالے کیا، دشت کیا ہے جھالے کیا
آہ کیا فغاں کیا ہے تم نہ جان پاؤ گے

چھ ماہ سے وہ نئی زندگی میں سیٹ ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر آج اس کی ضبط کی طنابیں تھیں کہ ٹوٹ جانے کو بے قرار تھیں آج گیارہ جنوری تھی وہی گیارہ جنوری جس تاریخ کو سوہا اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی تھی، رات اس نے جاگتے ہوئے گزاری تھی، مذکیٰ نے اس کے لئے ناشتہ لگایا تھا محض وہ چائے پیتا دیر سے گھر آنے کا کہتا گھر سے نکل گیا تھا، گاڑی جانے پہچانے راستے پر سفر کرنے لگی تھی اور وہ کچھ ہی دیر میں قبرستان داخل ہوا تھا اور نڈھال قدموں سے چلتا سوہا کی قبر کے پاس آ رکا تھا۔

"سوہا! تمہیں مجھ سے بچھڑے سات برس ہو گئے، مگر یہ ماہ و سال کہاں تمہاری یاد کو ذرا بھی دھندلا سکے، جیسے جیسے وقت گزرتا ہے تم اور شدت سے یاد آتی ہو، تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا سوہا، مجھے زندگی بھر کا رت جگا سونپ کر تم میٹھی نیند سو گئیں، تمہاری محبت کا قرض چکانے کے لئے میں نے شادی تو کر لی سوہا، مگر روز جس اذیت سے گزرتا ہوں میں ہی جانتا ہوں، دنیا کے سامنے ہنستا تھا سب پر یہی ظاہر کرتا تھا کہ میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اور اپنے گھر میں آ کر رو لیتا تھا، تم سے باتیں کرتے، شکوے کرتے میری زندگی گزر رہی تھی، مگر جب سے مذکیٰ میری زندگی میں آئی ہے سر محفل تو ہنستا ہی ہوں اب تو اپنے گھر میں بھی یہی سب کرنے پر مجبور ہوں، مگر میرے اندر کیسا ماتم برپا ہے کس کو بتاؤں، تم اتنی سنگدل کیوں ہو سوہا، نہ میں اندھیروں کا مسافر بنتا نہ میں تمہاری محبت کے قرض اتارنے کے لئے روشنیوں کو اپناتا اور نہ ہی آج ہونے اور نہ ہونے کی کشمکش میں جیتا اور نہ ہی مرتا، میں بہت اذیت میں ہوں سوہا، مجھے یہ خوف سونے نہیں دیتا کہ تم نہ جانے کس حال میں ہو گی، میری محبت میں تم حرام موت کی مرتکب ہوئیں اور میں مزے سے جیتا رہا ہوں، میری محبت کو تم نے کیسے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے سوہا، میری محبت واہمہ بن کر رہ گئی ہے۔" وہ قبر کی مٹی ہاتھوں پر سر ٹکا کر رو رہا تھا۔

"بیٹا صبر کرو ہم سب کو ایک دن اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس طرح رونے سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے تم بجائے رونے کے مغفرت کی دعا کرو۔" نیاز محمد بیٹے کی قبر پر فاتحہ خوانی کر کے جا رہے تھے جب انہوں نے تھوڑے فاصلے پر موجود قبر کے پاس بیٹھے نوجوان کو یہ زاری کرتے دیکھ کر اس کے قریب آ کر حلاوت سے کہا تھا۔

"مغفرت کی دعا میں تو صبح و شام کرتا ہوں مگر دل ہے کہ میرا مطمئن ہی نہیں ہوتا۔" اس نے بے بسی سے انہیں دیکھا تھا اور وہ ہلکے سے مسکرا دیئے تھے۔

"جس دل میں رب رہتا ہو وہ دل ہر حال میں مطمئن رہتا ہے اور جن کے دل صنم کدہ بن جاتے ہیں وہ مطمئن ہو کر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔" وہ بہت نرمی سے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"تمہاری پوری گفتگو میں نے سنی جو تم اس قبر میں سوئی ہستی سے کر رہے تھے اور مجھے اندازہ ہوا ہے کہ شاید انہوں نے خودکشی کی ہے۔" معوان احمد نے محض اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

"خودکشی مذہب اسلام میں مکروہ ناپسندیدہ اور حرام فعل ہے، مگر ہم خود سے کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ خودکشی کرنے والا جہنم میں ہی جائے گا کیونکہ ہمارا رب تو بڑا ہی مہربان ہے وہ چاہے تو بڑے سے بڑا گناہ معاف کر دے اس لئے ہمیں تو صرف وہ کرنا چاہیے جو ہمارے اختیار میں ہے مغفرت کی دعا تو ہمارے اختیار میں ہے، دعا کو پورے یقین کے ساتھ مانگی جاتی ہے کہ دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے اور وہ چاہے تو معمولی سی نیکی کا بڑا اجر دے دے اور گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے اور اگر وہ نہ چاہے تو عمر بھر کی عبادت و پرہیز گاری بھی معمولی سی نافرمانی کی نذر ہو جائے، تمہاری عزیزہ حرام موت کی مرتکب ہوئیں یہ تو تمہیں معلوم ہے، بہت ممکن ہے کہ ان کی کوئی ایک معمولی نیکی تمہاری نگاہ میں نہ ہو اور اللہ اس نیکی کے عوض انہیں بخش دے، وہی تو بڑے سے بڑا گناہ بخشنے پر قادر ہے اور ہماری کم عقلی و کم نظری اللہ کی قدرت اور اس کی بڑائی محسوس کرنے کے قابل ہی نہیں ہے، ہم کہاں مالک دو جہاں کی قدرت کی وسعت کو پا سکتے ہیں۔"

نیاز محمد کا آخر میں لہجہ بھیگ گیا تھا اور اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا اور وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھا رہا تھا، اندھیرا بڑھنے لگا تھا اور اس کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا تھا اس نے چونک کر نمبر دیکھا تھا، گھر کا نمبر دیکھ کر اٹھ گیا تھا اور اس کی نگاہیں متلاشی انداز میں نیاز محمد کو ڈھونڈنے لگی تھیں اور اس کو گورکن نے بتایا تھا کہ وہ قریبی مسجد کے امام تھے اور وہ ان سے دوبارہ ملنے کا ارادہ دل میں باندھتا قبرستان کی سنسان و اداس فضا سے باہر نکل آیا تھا اس کا گھر جانے کا من نہ تھا مگر کوئی اس کا منتظر ہے یہ خیال اسے گھر کے راستوں پر چلنے پر مجبور کر رہا تھا، اسی لئے اس نے گاڑی نہ چاہتے ہوئے بھی گھر کے راستے پر ڈال دی تھی ورنہ اس کا بس چلتا تو گزرے سال کی طرح آج کی رات وہ قبر پر ہی گزار دیتا اور ہمیشہ کی طرح اذان کی آواز پر آخری نگاہ قبر پر ڈالتا گھر کی راہ لیتا جہاں سناٹے بولتے تھے مگر اب وہاں سناٹے توڑنے والی آ گئی تھی اسی لئے اس نے گھر کی راہ لی تھی۔

"مذکیٰ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں آرام کروں گا، تم کھانا کھا لو۔" مذکیٰ کے دستر خوان لگانے کا پوچھنے پر وہ کہتا اپنے روم میں آ گیا تھا کچھ ہی دیر میں بھاپ اڑاتا کافی کا مگ لئے مذکیٰ روم میں داخل ہوئی تھی اور اسے جوتوں سمیت بستر پر چت لیٹے دیکھ کر اس کی فکرمندی سوا ہو گئی تھی اور اس نے لپک کر معوان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا اور ہلکی سرد پیشانی اسے قدرے مطمئن کر گئی تھی اور وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس

کا سر دبانے لگی تھی کہ یکدم معوان اس کا ہاتھ جھٹکتا اٹھ بیٹھا تھا۔

''پلیز مذکی میں کچھ دیر بالکل اکیلا رہنا چاہتا ہوں تم مجھے بالکل ڈسٹرب نہ کرو۔'' اس نے لہجہ کو سخت ہونے سے بچانے کی حتی المقدر کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہا۔

''تمہاری سمجھ میں میری ایک دفعہ کی کہی بات نہیں آئی میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جاؤ چلی جاؤ مذکی مجھے پلیز تنہا چھوڑ دو۔'' مذکی قدرے حیرانگی سے اسے چیختے دغصہ کرتے دیکھ رہی تھی گزرے مہینوں میں کبھی اس نے اس لہجہ میں اس سے بات نہیں کی تھی وہ بھیگی پلکیں رگڑتی روم سے نکل آئی تھی اور جہاں معوان نے پوری رات کمرے میں چکراتے ہوئے گزاری تھی مذکی نے کمرے کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے رات گزرا دی تھی موذن کی آواز کے ساتھ ہی اس کے قدم رکے تھے اور جیسے ہی وضو کر کے وہ روم سے نکلا تھا اس کی نگاہ ریلنگ سے سر ٹکائے سوتی ہوئی مذکی پر ٹھہر گئی تھی، اسے رات کا منظر یاد آیا تھا کہ کس طرح سے اس نے ڈانٹ کر مذکی کو روم سے جانے کو کہا تھا رات کو تو اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے مگر اب اسے پشیمانی نے آگھیرا تھا اس نے آگے بڑھ کر بڑی احتیاط سے اسے اٹھایا تھا اور بستر پر لٹا کر کمبل ڈالتا باہر نکل گیا تھا، جبکہ مذکی جو اس کے لمس کو محسوس کر کے ہی جاگ گئی تھی مگر دانستہ آنکھیں بند رکھی تھی، اس کے روم سے نکلتے ہی اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

''میں جانتی ہوں معوان کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے نہ شادی کرنا چاہتے تھے مگر یہ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا وجہ تھی کہ آپ نے مجھے اپنایا مگر میں اتنی بے بس ہوں کہ آپ سے کوئی سوال چاہ کر بھی نہیں کر سکتی۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور جس وقت اس کی آنکھ کھلی کافی وقت گزر گیا تھا اور وہ ساڑھے گیارہ بجا گھڑی کو ایک نظر دیکھتی بستر سے اتر گئی تھی، اس نے بڑی بے دلی سے ناشتہ کیا تھا، ملازمہ صفا کر کے جا چکی تھی۔

وہ ناشتہ کے برتن ایسے ہی سنک میں رکھ کر میلے ہی کپڑوں میں حسن صاحب کے ہاں آگئی تھی اس کا دل بڑا اداس ہو رہا تھا اور وہ ماں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی اور وہ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھیں جبھی اس نے باہر چلنے کے لئے اشارہ کیا تھا اور مسز حسن اسے تیار ہونے کا کہہ کر خود تیار ہونے لگیں تھیں۔

مذکی نے بڑی بے دلی سے اپنے لئے شاپنگ کی تھی، دل کی حالت تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی ایک عجیب سی گھبراہٹ وفکر نے اسے حصار میں باندھا ہوا تھا، وہ شاپنگ مال سے نکلی تھیں گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے سے آتے ہوئے معوان پر پڑی تھی جو سیل فون پر بات کرتا سیدھا چلا آ رہا تھا اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ سڑک کے بیچوں بیچ چلا آ رہا ہے، جبھی مذکی کی نگاہ بڑی تیزی سے آتی کار پر پڑی تھی، وہ چیخنا چاہتی تھی وہ معوان کو سامنے سے ہٹ جانے کو کہنا چاہتی تھی مگر وہ اپنے گلے پر بے تحاشہ زور ڈالنے کے باوجود بھی ایسا نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ بیگز وہیں چھوڑ کر بھاگی تھی مگر بہت دیر ہو گئی تھی، وہ تیز رفتار کار معوان احمد کو دور اچھالتی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی، یکدم اس کے گلے میں جیسے طاقت آ گئی تھی وہ پوری جان سے چیخی تھی ''معوان'' وہ پاگلوں کی طرح معوان معوان کہتی اس تک آئی تھی مسز حسن جو کچھ دیر قبل شاپنگ مال سے نکلی تھیں وہ بھی بھاگم بھاگ اس تک آئی تھیں اور ڈرائیور سے معوان کو گاڑی میں ڈالنے کو کہا تھا۔

''معوان! آپ کی میڈیسن لینے کا وقت ہو گیا ہے۔'' مذکی نے آہستگی سے کہتے ہوئے چند گولیاں اس کی جانب بڑھائی تھیں، جنہیں وہ ایک ہی گھونٹ میں نگل گیا تھا۔

''اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، مذکی یو ڈونٹ وری۔''

''آپ کو کچھ چاہیے۔''

''پلیز مذکی مجھے کچھ نہیں چاہیے ہر وقت میرے سر پر سوار مت رہا کرو۔'' وہ انتہائی چڑچڑے انداز میں بولا تھا۔

''آپ غصہ نہ کریں معوان غصہ آپ کی صحت کے لئے مضر ہے، آپ کو میرا بولنا آپ سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا تو میں آپ سے پہلے کی طرح اشاروں میں بات......''

''میں نے ایسا کب کہا مذکی۔'' اسے فوراً ٹوکا تھا۔

''آپ منہ سے کچھ نہیں کہتے مگر آپ کے رویے تو مجھ سے یہی کہتے ہیں کہ میری قوت گویائی کا لوٹ آنا آپ کو اچھا نہیں لگا۔'' آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بالآخر چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو مذکی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے کیا میں نہیں جانتی کہ آپ نے مجھ سے شادی صرف اور صرف اس لئے کی تھی کہ میں بول نہیں سکتی تھی اور اب جب میں بول سکتی ہوں تو میری اہمیت بھی ختم ہو گئی ہے، کیونکہ مجھے تو اپنایا ہی میری محرومی کی وجہ سے گیا تھا، مگر میں کیا کروں معوان کہ نہ آواز کا جانا میرے بس میں تھا اور نہ ہی لوٹ آنا، بچپن سے میں نے یہی سنا کہ میری آواز بھی آ سکتی ہے میں نارمل لوگوں کی طرح بول سکتی ہوں اور بچپن سے اب تک میں نے ہزاروں بار اپنی قوت گویائی کو پانے کی دعائیں مانگی، مگر خدا گواہ معوان کہ آپ کو پانے کے بعد میں نے کبھی نہیں مانگی کہ میں بولنے لگوں میں نے اگر مانگا تو آپ کے ساتھ کی اپنی آخری سانس کے لئے دعا کی تھی اس کے سوا میں نے کچھ نہ مانگا اور اللہ نے میری برسوں پرانی دعا کو وقت شرف قبولیت بخشا جب مجھے نہ ضرورت اور نہ ہی تمنا، مگر اللہ تعالیٰ کو یہی وقت مناسب لگا معوان میں اپنے رب کی ناشکری بندی بننا نہیں چاہتی، مگر میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کے درمیان لٹک رہی ہوں، میری شہ رگ سے قریب میرا دل میں رہنے والا میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے یہ خوف مجھے سجدہ سے اٹھنے نہیں دیتا اور آپ کی ناراضگی کا خوف مجھے رات بھر جگاتا ہے، آپ نے جس وجہ سے مجھ سے شادی کی تھی وہ وجہ نہیں رہی تو آپ مجھے پل پل مارنے کے بجائے ایک دفعہ ہی مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں۔'' مذکی اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''مذکی یہ حقیقت ہے کہ میں نے تم سے شادی صرف اس لئے کی تھی کہ تم میری سوہا کی طرح قوت گویائی سے محروم تھیں، مگر میں جیسے سوہا کو بولتے دیکھنے و سننے کا خواہش مند تھا، وہ خواہش تمہارے لئے بھی میرے دل میں چھپی تھی مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے اور کڑوی سچائی میں تسلیم نہیں کر پا رہا مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنی زندگی سے نکالنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، کیونکہ تمہیں اپنانے کے پیچھے چاہے سوہا کی محبت کار فرما ہو مگر اب تم میری زندگی کا حصہ ہو، ایک ایسا حصہ جس کے جانے سے میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا میں خالی و بے رنگ زندگی ایک دفعہ تو جی چکا اب ایسی خالی زندگی کا حصہ بنا تو جی نہیں پاؤں گا تم اپنے دل سے ہر ایک خوف نکال دو اور تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کر دوں گا تمہیں میں نے نہیں میرے اللہ نے مجھ کو تمہیں اپنانے پر اکسایا، ورنہ میری کہاں طاقت تھی کہ میں ایک چھوٹا سا بھی عمل کر سکوں، ہمارے فیصلے وہ آسمان والا خالق کرتا ہے، اس لئے کبھی یہ مت سوچنا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا یہ اور بات ہے کہ اللہ چاہے تو ہم مزید ساتھ نہ رہ سکیں اور اسی خدا کی مرضی ہو تو ہماری سانسیں بھی کسی وقت رک جائیں ہمارا اللہ بہت بڑا ہے مذکی، وہ ہماری بڑی سے بڑی خطا بخشش دیتا ہے، وہ تمہاری اس خطا کو بھی بخش دے گا کہ تم نے اس کا شکر ادا کرنے میں دیر کی، اس لئے اب اٹھو اور دل سے رب کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اتنا کچھ دے دیا ہے تمہاری ہر ایک محرومی کو اپنی رحمت سے ختم کر دیا ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ ہلکے سے تھپتھپاتا ہوا اٹھ گیا تھا۔

اس دن معوان کا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا تھا، ڈاکٹرز تو اس کی جانب سے مکمل مایوس ہو چکے تھے، مگر جہاں سے انسان کی مایوسی کی ابتدا ہوتی ہے وہیں رب کی ہر وقت ہر جگہ موجود رہنے والی رحمت اسے اس مایوسی سے نکلنے کا سامان پیدا کر دیتی ہے گیارہ دن بے ہوش رہنے کے بعد وہ ہوش میں آ گیا تھا اور تین ماہ بیڈ ریسٹ کرنے کے بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا اور اس تمام عرصے میں باقاعدگی سے معوان کی دلی اور خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکی نیاز محمد کو بلواتی رہی تھی، یہ وہی نیاز محمد تھے جو معوان کو قبرستان میں ملے تھے اور مسجد کے پیش امام تھے، ان سے بات کر کے معوان کو روحانی خوشی حاصل ہوتی تھی اور یہ نیاز محمد کی گفتگو کا سحر ہی تھا اس میں یکسر تبدیلی رونما ہوئی تھی وہ جو سوہا کی موت کے بعد دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا، خوشیوں اور آرام کو حرام کر لیا تھا اور سوہا کی موت کا خود کو ذمہ دار سمجھتے ہوئے خود کو سزا دے رہا تھا، وہ اس تکلیف دہ اذیت سے نکل آیا تھا، اس نے موسیقی چھوڑ دی تھی اور خود کو فلاحی کاموں میں لگا دیا تھا، گونگے لوگوں کے لئے اس نے اسپتال اور اسکول کی تعمیر شروع کرا دی تھی، وہ اب مذکی کو بھی توجہ دینے لگا تھا، گھر میں وقت گزارنے لگا تھا اور اس تمام زندگی میں اس کے جذبے اور خدا سے محبت بڑی ہی خاص تھی وہ پہلے ہر کام اپنی خوشی کے لئے کرتا تھا اور چند سالوں سے اس نے خود کو سوہا اور اس کی محبت کے لئے مخصوص کر دیا تھا مگر اب اس نے عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کا سفر کرتے ہوئے خود کو خدا اور اس کے بندوں کی بھلائی کے لئے مختص کر دیا تھا پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ نفلی نمازیں بھی باقاعدگی سے پڑھتا تھا، درس اور وعظ کی محفلوں میں شرکت کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا، اس نے اپنی آدھی آمدنی اسکول و اسپتال کے لئے وقف کر دی تھی، اس کے علاوہ بھی کوئی سوالی اس کے در سے خالی نہیں جاتا تھا، اس کا بزنس روز بہ روز ترقی کر رہا تھا اور ماہ و سال ایک کے بعد ایک کر کے گزرتے جا رہے تھے اس نے اپنی بڑی بیٹی کا نام سوہا رکھا تھا اور بیٹے کا نام مہران تھا، وہ آج ہر طرح سے مطمئن و خوش زندگی گزار رہا ہے اس نے اپنے دل کو صنم کدہ بننے سے بچا لیا تھا اور وہ یہ راز جان گیا تھا کہ ''رب دلاں وچ رہندا اے'' ہے اور حقیقتاً وہی کامیاب ہیں جو اس راز کو جان لیتے ہیں۔

معوان احمد نے تو عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کا سفر کر لیا ہم اور آپ بھی اس سفر کے مسافر بن سکتے ہیں کیونکہ ایک معوان احمد ہی نہیں رب تو ہر مومن کے دل میں رہتا ہے، بس اس کو پہچاننے اور محسوس کرنے والی آنکھ چاہیے۔

☆☆☆